احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

اپریل 2025ء

شہر اعتکاف 2025

عشقِ الٰہی اور لذتِ توحید

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

کے علمی و روحانی خطابات

منہاج القرآن انٹرنیشنل کے زیر اہتمام 32واں سالانہ شہر اعتکاف 2025ء

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

بفیضانِ نظر
قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیرِ سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

زیرِ نگرانی
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

جلد: 39 شمارہ: 4 / ۱۴۴۶ھ شوال / اپریل 2025ء

چیف ایڈیٹر: نوراللہ صدیقی

ایڈیٹر: محمد یوسف

ڈپٹی ایڈیٹر: ابدال احمد میرزا

ایڈیٹوریل بورڈ
محمد رفیق نجم، ڈاکٹر محمد فاروق رانا، عین الحق بغدادی
محمد بلال اُپل، سید علی عباس بخاری، فیصل حسین مشہدی

مجلس مشاورت
خرم نواز گنڈاپور، احمد نواز انجم، جی ایم ملک
محمد جواد حامد، سرفراز احمد خان، منظور حسین قادری
غلام مرتضیٰ علوی، علی عمران، داؤد حسین مشہدی

قلمی معاونین
مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، محمد شفقت اللہ قادری
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی
ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، ڈاکٹر محمد افضل قادری

حسنِ ترتیب

اداریہ: شہرِ اعتکاف اور اخلاقی اسباق	چیف ایڈیٹر	05
القرآن: اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	09
الفقہ: مسلکی اختلاف کی بنا پر قطع رحمی؟	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	20
معاشرتی ذمہ داریاں، سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں	ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ	25
حضرت فریدِ ملت ڈاکٹر فریدالدین قادریؒ	خصوصی مضمون	34
منہاج القرآن انٹرنیشنل کے زیرِ اہتمام 32واں سالانہ شہرِ اعتکاف	خصوصی رپورٹ: محمد یوسف منہاجین	42

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ
www.minhaj.info
www.facebook.com/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس و سالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبر شپ/رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم — گرافکس: عبدالسلام
خطاطی: محمد اکرم قادری — عکاسی: قاضی محمود الاسلام

قیمت فی شمارہ 60 روپے — سالانہ خریداری 700 روپے

انتباہ! مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید، جنوبی امریکہ وریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 02930103644000 میزان بینک شالیمار لنک روڈ لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور UAN:042-111-140-140 Ext: 128

حمد باری تعالیٰ

عہدِ الست پیشِ نظر، اے خدا رہے
توحید ہی عقیدہ ہمیشہ میرا رہے

قائم ہے جب تلک مری سانسوں کا سلسلہ
جاری رہے زباں پہ محمد کا تذکرہ

دائم رہے دلوں میں محبت رسول کی
نسلوں میں منتقل ہو عقیدت بتول کی

جذبوں میں ہوں ہمارے، صحابہ کے ولولے
آلِ نبی کی مثل ہوں عزم اور حوصلے

اس بغض کی فضاء میں محبت نصیب ہو
سب اولیاء کی مولا، عقیدت نصیب ہو

بچے ہمارے عہد کے داعی ہوں دین کے
عارف ہوں یہ رموزِ کتابِ مبین کے

دائم میرے وطن پر تیرا کرم رہے
قبر و حشر میں یارب قائم بھرم رہے

عینِ حیات دینِ محمد کا کام ہو
وقتِ نزع زبان پر تیرا ہی نام ہو

﴿ڈاکٹر علی اکبر الازہری﴾

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

ہیں جو خوش قسمت کرم یابِ ولائے مصطفیٰ
حشر میں ہوں گے وہی زیرِ لوائے مصطفیٰ

کس قدر ہیں مہرباں کہ ربِ ھب لی امتی
زیبِ لب صبحِ ولادت تھی دعائے مصطفیٰ

اس سے بڑھ کر کون سی ہے نعمتِ ربِ عُلا
رحمتِ کون و مکاں بن کر ہیں آئے مصطفیٰ

دستگیر و غم گسار و ہادی و مونس کوئی
کون آیا ہے جہاں میں ماسوائے مصطفیٰ

ہیچ ہے اس کی نظر میں شوکتِ تاجِ شہی
جس کے سر پر سج گیا ہے نقشِ پائے مصطفیٰ

ہے وہی سچا غلام ان کا جسے ہر حال میں
بڑھ کے جان و دل سے پیاری ہو ادائے مصطفیٰ

ہے مرے دل کی دعا یارب کہ میری نسل کا
بچہ بچہ ہو فدائے ارتضائے مصطفیٰ

بول جاؤں نزع کی تکلیف ہمذآلی اگر
بخت میں ہو جلوۂ نورِ لقائے مصطفیٰ

﴿انجینئر اشفاق حسین ہمذآلی﴾

اداریہ

شہرِ اعتکاف اور اَخلاقی اَسباق

الحمد اللہ 10 روزہ شہرِ اعتکاف توفیقاتِ ایزدی اور تمام تر خیر و برکات کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ پاکستان سمیت دنیا کے مختلف ممالک سے ہزارہا معتکفین اس شہر اعتکاف کا حصہ بنے۔ عبادت و ریاضت کے ساتھ ساتھ اِصلاحِ اَحوال، تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کے اعتبار سے یہ اعتکاف یادگار رہا۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ نے مسلسل 10 راتیں عشق الٰہی اور لذتِ توحید کے موضوع پر گفتگو فرمائی۔ اُن کی گفتگو کا ایک ایک حرف چشم کشا اور راحت آفریں تھا۔ اس موضوع پر 10 دنوں میں آپ نے 25 گھنٹے سے زائد دورانیہ کا خطاب فرمایا۔ بلاشبہ ایک موضوع پر اتنی طویل گفتگو کرنا اور پھر ہزارہا معتکفین کا یکجا اور یکسو ہو کر سماعت کرنا ایک ایسا تحسین آفریں اور ایمان افروز منظر ہے جسے سماعت کرنے والے اس کے سحر سے طویل عرصہ تک باہر نہیں نکل سکیں گے اور استعداد اور استطاعت کے مطابق اس سے فیض یاب ہوتے رہیں گے۔

شیخ الاسلام کے خطابات کا نفسِ مضمون اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے بے پناہ عشق و محبت اور انسانیت کا احترام تھا۔ آپ نے اس بات پر زور دیا کہ اپنے اَخلاق اور کردار سنواریں، خدمتِ خلق کریں، اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے اَحکامات بجالائیں اور حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی پابندی کریں۔ عشق عمل مانگتا ہے، خالی نعرے فقط نفس کا دھوکہ ہے۔ آپ نے عدل و انصاف پر زور دیا، مظلوموں کی مدد کی تحریک دی، ہر حال میں اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ حُسن سلوک کی تعلیم دی اور

سماعت کرنے والوں کو باور کروایا کہ اسلام دینِ امن ورحمت ہے، اگر محبت اور پیار کو اسلام کی تعلیمات سے نکال دیا جائے تو پیچھے کچھ نہیں بچتا۔

شیخ الاسلام نے اسی مضمون کو اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''اِسلام دینِ امن ورحمت ہے'' میں بھی بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انسانوں پر ظلم کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اللہ کا اعلان اور فرمان ہے ''بے شک اللہ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا''۔ کوئی شخص بھول کر بھی تصور نہ کرے کہ اُس کا جتنا حق بنے گا، اللہ اُس سے کم دے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جب معاملہ کرتا ہے تو کم سے کم عدل کا معاملہ کرتا ہے، جس شخص کا جو حق ہے اُسے پورا پورا اعطا فرماتا ہے۔ اللہ کے بندوں کے لئے اللہ کا یہ حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈور، اُس کے عدل سے بھی ڈرو، اگر اُس نے ہمارے ساتھ عدل کا معاملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تو پھر ہماری خیر نہیں، پھر چھوٹے سے چھوٹے گناہ بھی گرفت میں آجائیں گے، مواخذہ ہوگا اور وہ کبائر بن جائیں گے، اگر اُس نے فیصلہ کر لیا کہ میں اس بندے سے فضل کا معاملہ کرتا ہوں تو اس سے بڑے بڑے کبائر بھی صغائر ہو جائیں گے کیونکہ پھر اللہ تعالیٰ کا طرز عمل اور رجحان معافی اور درگزر کا ہو جائے گا۔ اگر عدل کا معاملہ کرنے کا فیصلہ ہوا تو ہر چیز کا حساب و کتاب ہوگا، اگر عدل کے تقاضے پورے کئے گئے تو پھر بخشش کی کوئی گنجائش نہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کوئی شخص ہم میں سے ایسا نہیں جس کے عمل اُس کو بخشوا کر جنت میں لے جائیں یعنی کوئی شخص محض اپنے عمل کے بل بوتے پر جنت میں نہیں جائے گا۔ آپ ﷺ نے اس بات کو تین بار فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کانپ اُٹھے، خوف زدہ ہو گئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ کیا یہ معاملہ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ بھی اسی طرح ہے؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: '' مجھے بھی، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔ لہٰذا سیدھی راہ پر چلو، میانہ روی اختیار کرو، صبح شام اور رات کے آخری کچھ حصے میں باقاعدگی سے کچھ نیک عمل کرتے رہو، راہ راست پر چلتے رہو، یہاں تک کہ منزل مقصود تک جا پہنچو''۔ یعنی حضور نبی اکرم ﷺ بھی اپنے اطاعت گزار اصحاب سے فرما رہے ہیں کہ ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہیں، میانہ روی اختیار کریں، اپنی عبادات، اپنی ظاہری دولت، حسب، نسب، جاہ و حشم پر کبھی نہ اترائیں۔ اللہ رب العزت کو عاجزی، انکساری اور میانہ روی پسند ہے۔ جنت میں داخلہ اللہ کے فضل کا مرہونِ منت ہے۔

شیخ الاسلام اپنے خطابات میں عاجزی و انکساری پیدا کرنے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کو ہر حال میں بجالانے کی تعلیم دیتے ہیں۔ اُن کے خطابات میں فکرِ آخرت نمایاں ہوتی ہے۔ جو

لوگ حج، عمرہ اور اپنی نمازوں کو فقط نیک اعمال تک محدود کرتے ہیں وہ اپنی اِصلاح کریں۔ اپنے پڑوسی اور اپنے اعزا و اقارب سے حُسنِ سلوک کریں۔ جو لوگ اپنے اعزا و اقارب کی تکلیف کا احساس نہیں کرتے، دکھاوے کے لئے بڑی بڑی خیرات کرتے ہیں، مساجد بنواتے ہیں، دستر خوان لگواتے ہیں مگر اُن کی نظر اپنے بھوکے خونی رشتہ دار پر نہیں پڑتی تو اُس شخص کو اس کے یہ نمائشی اقدامات کچھ فائدہ نہ دیں گے۔ یاد رکھیں ہم پر ماں، باپ، بہن، بھائیوں، بیوی، بچوں اور خونی رشتے داروں کا حق سب سے پہلے ہے۔ قریب والا آپ کی سخاوت اور مدد کا زیادہ حق دار ہے۔ ہمارے عمومی رویے یہ ہیں کہ ہم اپنے قریب والوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ وہ سارے نیک اعمال ہیں جو ہم سے رخصت ہو چکے ہیں مگر حضور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات میں یہ اعمال بڑی اہمیت اور فضیلت کے حامل ہیں۔

شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری پیغمبرِ اسلام ﷺ کی انہی تعلیمات کے فروغ و احیا پر سب سے زیادہ توجہ مرکوز کئے ہوئے ہیں۔ اگر ہم مصطفوی سیرت کو اپنی زندگیوں کا حصہ بنا لیں تو ہمارا سماج جنت نظیر ہو جائے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے انسانوں کے طور طریقے اور مزاج بدلنے پر بہت محنت کی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے کے ظاہری و باطنی عیب تلاش مت کرو، تناجش نہ کرو (کسی کو پھانسنے کے لئے کسی چیز کی زیادہ قیمت نہ لگاؤ) اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔'' اس خوبصورت حدیث مبارک کے اندر ایک خوبصورت اور کامیاب زندگی کے تمام راز پنہاں ہیں۔ اگر ہم مذکورہ عوارض سے بچ جائیں گے تو ہماری زندگی خوبصورت بن جائے گی اور اگر ان عوارض سے پیچھا نہیں چھڑائیں گے تو ہماری زندگی جہنم زار ہو جائے گی۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے شہر اعتکاف میں شرکاء کی توجہ اس امر کی طرف بھی مبذول کروائی کہ یہ وہ دور ہے جس میں ذہنی و فکری فتنہ و انتشار پھیلایا جا رہا ہے اور لادینیت و دہریت اپنے عروج پر ہے۔ قول و فعل سے طہارت رخصت ہو گئی ہے۔ ہر طرف منافقت، منافرت، حقارت، غیبت، چغلی، بے ایمانی، بد دیانتی، خیانت، ظلم و جبر، ناانصافی ہے۔ انسان کے اندر سے انسانیت مر گئی ہے۔ عالمِ مغرب اور یورپ کی زمینیں جہاں توحید اور رسالت پر ایمان نہیں، مگر انسانی اخلاقیات کے اعتبار سے وہ معاشرہ ہمارے معاشرے سے سو گنا بہتر ہے۔

شہر اعتکاف کے شرکاء کے توسط سے انھوں نے امت مسلمہ بالخصوص پاکستانی قوم کو خواب غفلت سے بیدار ہونے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں سوچنا ہو گا کہ ہمارے ساتھ کیا ہو گیا؟ ہم کیوں ایسے ہو گئے؟ ہم ذلت اور جہالت کے اِن گڑھوں میں کیسے پہنچ گئے؟ یاد رکھیں موجودہ تباہی

کا ذمہ کسی فرد واحد یا حکمرانوں، سیاست دانوں کو ٹھہرانا درست نہیں ہے۔ اگر عوام بد دیانت، دروغ گو، قانون شکن، بے رحم ہوں گے تو حکمران اس سے دوگنا زیادہ برے ہوں گے۔ سوسائٹی میں ظلم اس لیے ہوتا ہے کہ عوام ظلم کو قبول کرتے ہیں۔ ناانصافی اس لیے ہے کہ عوام اپنے اعمال اور معاملات میں خود ایسے ہیں۔ اگر عوام ٹھیک ہوں تو حکمران بھی ٹھیک ملیں گے۔ لہٰذا اپنے نفس کو سنواریں، اپنے دل و دماغ کو سنواریں، اپنی سوچوں کو درست سمت دیں، اچھائی اور برائی میں تمیز پیدا کریں، حق اور باطل میں فرق پیدا کریں، پاکیزگی اور غلاظت میں فرق پیدا کریں، حلال اور حرام میں فرق پیدا کریں، سوچوں میں اللہ کے اَمر اور نہی میں فرق پیدا کریں اور خیر اور شر میں فرق سمجھیں۔

محترم قارئین! منہاج القرآن فی الوقت کرۂ ارض کی وہ واحد دینی و اصلاحی تحریک ہے جس نے ہزارہا خطابات اور سیکڑوں کتب کی صورت میں اُمت کو علم کا ذخیرہ دیا ہے۔ عقائد و ایمانیات سے متعلق کوئی ایک ایسا موضوع نہیں ہے جس پر کتاب موجود نہ ہو۔ دین اسلام کی حقیقی تعلیمات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ تحریک کا ہر رفیق اور کارکن شیخ الاسلام کے خطاب اور کتاب دونوں سے جڑا رہے اور ہر طبقہ زندگی تک ان تعلیمات کو پہنچانے کے لئے اپنی کاوشیں بروئے کار لائے۔ اللہ رب العزت ہمیں حضور نبی اکرم ﷺ کے فرامین اور تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(چیف ایڈیٹر: ماہنامہ منہاج القرآن)

القرآن

اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا حکم

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا ایمان افروز خطاب

(حصہ: ۱۲)

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے باب میں قرآن مجید کی آیات میں دو طرح کا عطف (واؤ) واقع ہوا ہے۔ ایک عطف اس طرح ہوا ہے کہ اسمِ رسول کا عطف اسمِ اللہ پر ہوا ہے۔ جس طرح اس آیت؛ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ میں ہے۔ اسے عربی میں عطف إسم الرسول علیٰ إسم اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اسم 'رسول' کا عطف اسم 'اللہ' پر واقع ہوا ہے۔

واؤ عاطفہ کی دوسری شکل یہ ہے کہ اطاعتِ رسول کا عطف اطاعتِ الٰہی پر ہوا ہے جس طرح اس آیت؛ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ میں ہے۔ گویا ایک آیت میں لفظ 'رسول' کا عطف لفظ 'اللہ' پر ہے اور دوسری آیت میں اطاعتِ رسول کا عطف اطاعتِ الٰہی پر واقع ہوا ہے۔ واؤ عاطفہ کے وارد ہونے کے ان دونوں اسالیب کی حکمتوں کو زیرِ نظر مضمون کے گذشتہ حصہ (شائع شدہ ماہ مارچ 25ء) میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے خاص احکام جو کسی مخلوق کے لیے جائز نہیں ہو سکتے، جیسے الوہیت، خالقیت، تقویٰ اور عبادت وغیرہ، ان کے علاوہ جمیع احکام میں جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے اسم اور رسول اکرم ﷺ کے اسم کو واؤ عاطفہ کے ساتھ جمع کیا ہے، اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اپنے فرامین و کلام میں اللہ اور

(خطاب نمبر: Ci-34) (دسمبر 2013ء) (مقام: کینیڈا)

اس کے رسول کے نام کو جمع فرماتے تا کہ اللہ اور اس کا رسول ان تمام احکام میں برابر درجے میں شریک ہوں۔ اللہ اور اس کے رسول کا ”ان احکام میں برابر درجے کا شریک ہونا“، یہ تصور ہمیں قرآن مجید میں اطاعت کے ذیل میں مذکور واؤ عاطفہ کے استعمال سے ملتا ہے۔ اس لیے آیئے! سب سے پہلے ہم واؤ عاطفہ کے نحوی اصول و قوانین کی بات کرتے ہیں۔ واؤ عاطفہ کے نحوی اصول کو جاننے سے علمی بنیاد پر اس بحث کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

ائمہ علمِ نحو نے اپنی کتب میں واؤ عاطفہ پر بحث کرتے ہوئے اس کے معنی، اثرات اور مقاصد کو بیان کیا ہے۔ نیز یہ بھی بیان کیا ہے کہ واؤ عاطفہ کیا کیا حکم مرتب کرتی ہے؟ ائمہ نحو بیان کرتے ہیں کہ واؤ عاطفہ دلالت کرتی ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ (یعنی واؤ عاطفہ کے بعد آنے والا اسم اور واؤ عاطفہ سے پہلے آنے والا اسم) دونوں اس حکم میں جمع ہوتے ہیں، جس حکم کو ان دو ناموں، دو چیزوں یا دو امور کے لیے وارد کیا جا رہا ہے۔ یعنی واؤ عاطفہ ان دونوں کو اس حکم میں جمع کر دیتی ہے اور اس حکم میں دونوں کو برابر درجے میں شریک کر دیتی ہے۔ علامہ زرکشی لکھتے ہیں:

الواؤ العاطفہ تدل علی الجمع و الاقتران و التشریک۔

(زرکشی، البحر المحیط فی اصول الفقہ، ۲: ۴۴)

واؤ عاطفہ معطوف اور معطوف علیہ دونوں کو اس حکم میں جمع اور برابر شریک کرتی ہے۔

اس بات کو امام سبکی نے اپنی کتاب الإبهاج فی شرح المنهاج (۱: ۳۳۸)، ابو سعید خلیل دمشقی نے الفصول المفیدۃ فی الواؤ المزیدۃ (ص: ۷۴)، ابو علی الفارسی، ابو سعید الصرافی ،بصری ائمہ نحو، کوفی ائمہ نحو اور علم النحو کے دیگر مذاہب نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور قرآن مجید کے حوالہ جات کے ساتھ اس کی شرح کی ہے۔

بعض ائمہ نے کہا کہ واؤ عاطفہ جمع و ترتیب کے لیے آتی ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ کو اس خاص حکم میں جمع کرنا اور اس کی ترتیب مقرر کرنا۔ جمہور نے کہا کہ واؤ عاطفہ سے جمع و ترتیب تو ہوتی ہی ہے مگر یہ تشریک کے لیے آتی ہے۔ یعنی اس حکم میں دونوں کو برابر درجے کا شریک کر دیا جاتا ہے تا کہ کوئی اس سے اختلاف نہ کر سکے۔

واؤ عاطفہ کے حکم کے متعلق جاننے کے بعد اب اَطِيْعُوا اللهَ وَالرَّسُوْلَ کا مفہوم واضح ہو گیا کہ واؤ عاطفہ نے اطاعت کے واجب اور لازم ہونے کے حکم میں اللہ اور اللہ کے رسول کو برابر درجے کا شریک کر دیا۔ اب رسول کی اطاعت کے واجب ہونے اور اللہ کی اطاعت کے

واجب ہونے کو جدا ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ایسا کرنا عربی ادب، گرائمر کے اصول و قاعدہ، قرآن مجید کے اسلوب اور اللہ کی وحی کے منشاء کے خلاف ہوگا۔ اب ان دو اطاعتوں کو کوئی جدا کر ہی نہیں کر سکتا۔ اللہ رب العزت نے ایک ہی حکم اَطِیْعُوْا کہہ کر ان دو اطاعتوں کو واؤ عاطفہ کے ذریعے جوڑ دیا ہے، ان میں اقتران اور ازدواج پیدا کر دیا ہے۔

واؤ عاطفہ کا یہ فائدہ بھی ہوا کہ اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت کی حیثیت اپنے وجوب، لزوم، فرضیت اور حجیت میں برابر ہوگئی ہے۔ واؤ عاطفہ نے انہیں جوڑ کر باہم شریک کر دیا ہے۔ اب چونکہ رسول کی اطاعت؛ عین اللہ ہی کی اطاعت ہے اور رسول کی اطاعت کا وجوب اور حجیت اللہ کی اطاعت کے وجوب اور حجت ہونے کی طرح ہے، اس لیے اگر کوئی حکم قرآن مجید میں موجود نہ ہو اور اس کے بارے میں رسول اکرم ﷺ فرما دیں تو وہ بھی اسی طرح واجب اور اللہ کی حد اور حکم بن جائے گا جس طرح قرآن مجید کا فرمایا ہوا حکم ہے۔

اس مضمون کے گزشتہ حصے میں ہم تفصیل کے ساتھ ذکر کر چکے ہیں کہ جو لوگ صرف قرآن کے حکم کو حجت مانتے ہیں اور فرمانِ رسول اور حدیث و سنتِ رسول کو حجت نہیں مانتے، وہ مچھلی کھانا ترک کر دیں اور گدھے کھانا شروع کر دیں۔ اس لیے کہ قرآن مجید کے عمومی حکم میتۃ کے تحت مچھلی مردار میں شامل ہے اور اسی طرح گدھے کو قرآن مجید نے حرام نہیں کیا۔ مچھلی کو حلال اور گدھے کو حرام قرار دینے والے آپ ﷺ ہیں۔ اگر حدیث کا حکم قرآن مجید ہی کی طرح واجب نہ ہو اور یہ شریعت نہ بنے تو پھر حجیتِ حدیث کے منکرین گدھے کا گوشت کیوں نہیں کھاتے۔ گدھا کھانا حرام ہے مگر اس کا ذکر قرآن مجید میں کہیں نہیں ہے۔ قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں تمام حرام اشیاء کی فہرست بتا دی گئی ہے، ان کے علاوہ دیگر چیزیں جنھیں ہم حرام سمجھتے ہیں، وہ تمام حدیث سے ثابت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّیَةُ وَالنَّطِیْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّیْتُمْ۔ (المائدۃ، ۵: ۳)

”تم پر مردار (یعنی بغیر شرعی ذبح کے مرنے والا جانور) حرام کر دیا گیا ہے اور (بہایا ہوا) خون اور سؤر کا گوشت اور وہ (جانور) جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو اور گلا گھٹ کر مرا ہوا (جانور) اور (دھار دار آلے کے بغیر کسی چیز کی) ضرب سے مرا ہوا اور اوپر سے گر کر مرا ہوا اور (کسی جانور کے) سینگ مارنے سے

مرا ہوا اور وہ (جانور) جسے درندے نے پھاڑ کھایا ہو سوائے اس کے جسے (مرنے سے پہلے) تم نے ذبح کر لیا۔‘‘

اس آیت میں قرآن مجید نے حرام اشیاء کو بیان کر دیا ہے۔ اسی طرح جن عورتوں سے نکاح نہیں ہو سکتا، جو حرام ہیں، ان کو بھی قرآن مجید میں بیان کر دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں مذکور حرام اشیاء کے علاوہ جن اشیاء کو ہم حرام سمجھتے ہیں، وہ حدیث نبوی کی بنیاد پر حرام ہیں۔ خواہ کتوں اور بلیوں کو حرام جانیں یا کئی اور جنگلی جانوروں اور کیڑے مکوروں کو حرام جانیں، وہ سب حدیث و سنتِ نبوی کی بنیاد پر حرام ہیں۔ قرآن مجید کا یہ کام نہیں تھا کہ ایک ایک مضمون کو تمام تفصیلات اور تفریعات کے ساتھ بیان کرتا۔ قرآن مجید بنیاد عطا کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس لیے مبعوث فرمایا تاکہ جو چیز قرآن مجید بیان نہیں کر رہا، اس کو آپ ﷺ بیان کریں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے حکم کو وہی مقام و درجہ دیا ہے جو قرآن مجید کی وحی اور آیتِ قرآنی کا ہے۔ گویا ہم سمجھنے کی خاطر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسی وجہ سے قرآن مجید کو کوئی پریشانی نہیں تھی کہ جن چیزوں کی حلت و حرام کا ذکر میں نے نہیں کیا تو اس حوالے سے امت کا کیا ہوگا۔ اللہ رب العزت نے بڑی آسانی کے ساتھ امت کے لیے راستے پیدا کر دیئے کہ اگر میں نے قرآنی وحی میں ان چیزوں کا ذکر نہیں کیا تو کیا ہوا، میرے رسول تو موجود ہیں۔ جن اشیاء کو

وہ حرام قرار دیں گے، قرآن مجید کے حرام کیے ہوئے کی طرح وہ بھی حرام ہو جائے گا۔ حتی کہ وہ رسول ﷺ یہاں تک باختیار ہیں کہ قرآن مجید نے عمومی اصول کے تحت جنھیں حرام کردیا، اگر اس میں سے بھی میرا رسول کوئی استثناء کرنا چاہے، تو انھیں وہ قانون بنانے کی بھی اجازت ہے۔ اس لیے کہ وہ law giver ہیں، وہ محل الطیبات اور محرم الخبائث ہیں۔ اس لیے ان کا کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینا، اسی طرح حلال یا حرام ہوگا جس طرح قرآن مجید کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دیتا ہے۔

حجیتِ حدیث کے منکرین کے لیے گدھے کھانے کی جس مثال کا میں نے ذکر کیا ہے، یہ کڑوی بات ہے، یہ بیان کرتے ہوئے میری طبیعت پر بھی بوجھ آرہا ہے لیکن اس مثال کو بیان کیے بغیر کچھ کند اذہان کو یہ بات سمجھ نہیں آنی تھی۔ ان لوگوں کے ذہن میں بات اتارنے کے لیے ضروری تھا کہ یہ مثال دی جائے۔ اس مثال سے ایک بچہ اور ان پڑھ بھی سنتِ نبوی کے مقام اور حجیت کو جان جائے گا۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے جس فرمان کے ذریعے گدھے کو حرام قرار دیا، اس فرمان کے الفاظ بہت قابلِ غور ہیں۔ غزوۂ خیبر سے واپسی کے دوران کچھ لوگوں نے گدھوں کا گوشت پکا کر کھالیا تو ایک شخص نے آپ ﷺ کو اس امر کی اطلاع دی:

فَأَمَرَ مُنَادِيًا فَنَادَى فِي النَّاسِ إِنَّ اللهَ وَرَسُولَهُ يَنْهَيَانِكُمْ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ (وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ فَإِنَّهَا رِجْسٌ) فَأُكْفِئَتِ الْقُدُورُ وَإِنَّهَا لَتَفُورُ بِاللَّحْمِ۔ (بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر، ۴: ۱۵۳۹، رقم: ۳۹۶۳)

”پس آپ نے ندا کرنے والے کو حکم دیا کہ لوگوں میں یہ منادی کردو کہ اللہ اور اس کے رسول نے تمہیں پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع کیا ہے۔ (دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک یہ پلید ہیں۔) پس ہانڈیاں الٹ دی گئیں اور اس وقت گدھوں کا بہت سا گوشت پکایا جا رہا تھا۔“

اس حدیث مبارک میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ آقا علیہ السلام نے صحابی کو فرمایا کہ جا کر یہ اعلان کرو کہ: ان اللہ و رسولہ ینھیانکم، اللہ اور اس کے رسول دونوں نے تم پر گدھوں کا گوشت حرام کردیا ہے۔ يَنْهَيَانِكُمْ تثنیہ کا صیغہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تو گدھے کو حرام کیا، کیونکہ آپ علیہ السلام نے ہی صحابی کو بھیجا کہ اس کے حرام ہونے کا اعلان کردو مگر اللہ تعالیٰ نے کہاں گدھے کے گوشت کو کھانا منع کیا ہے؟

جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے حکم کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جدا سمجھتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے حرام کرنے کے عمل کو اللہ تعالیٰ کے حرام کرنے سے مختلف سمجھتے ہیں یا آپ ﷺ کے کسی چیز کو حلال یا حرام کرنے کا اختیار نہیں مانتے کہ آقا علیہ السلام کے پاس صرف اچھائی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے اور جو قرآن مجید میں آیا ہے، اس کی اطلاع دینے تک اختیار ہے اور جو قرآن مجید میں بیان نہ ہوا اسے حلال کرنے یا حرام قرار دینے کا اختیار نہیں، ایسے لوگ گمراہی میں مبتلا ہیں، ان سے سوال ہے کہ گدھا کھانا اللہ تعالیٰ نے کہاں حرام قرار دیا ہے؟ الحمد سے والناس تک پورے قرآن مجید کی ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے گدھوں کے گوشت کی حرمت بیان کر دی ہو۔ قرآن مجید میں حرمت مذکور نہیں مگر رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کہ گدھوں کا گوشت کھانا اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔

اس کا جواب واؤ عاطفہ میں ہے۔ واؤ عاطفہ اس حکم میں دونوں کو شریک کر دیتی ہے اور حکم میں وحدانیت و عینیت پیدا کر دیتی ہے۔ واؤ عاطفہ اعلان کر دیتی ہے کہ ان دونوں کا حکم ایک ہی طرح کا ہے، ان میں دوئی، تفریق اور غیریت نہیں ہے۔

یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کسی چیز کو حرام قرار دیتا ہے تو یوں ذکر فرماتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ایسا کر دیا۔ قرآن مجید میں کئی مقامات پر اس کی مثالیں موجود ہیں۔ اسی طرح اگر رسول اللہ ﷺ کسی چیز کو حلال یا حرام کریں تو وہ فرما دیتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول نے اسے حلال یا حرام قرار دیا ہے۔ اس بات کی وضاحت کے لیے درج ذیل آیت کریمہ ملاحظہ ہو۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ (الحجرات، ۴۹: ۱)

”اے ایمان والو! (کسی بھی معاملے میں) اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے آگے نہ بڑھا کرو۔“

اس آیت مبارکہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ عید الاضحیٰ پر پہلے نمازِ عید پڑھتے اور پھر قربانی فرماتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض نے اللہ کی بارگاہ سے اجر لینے میں سبقت لے جانے یا قربانی سے فارغ ہو کر جلد از جلد حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضری دینے کی نیت سے آپ ﷺ کے عملِ قربانی سے پہلے اپنے جانور ذبح کر لیے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرما دی کہ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول

(ﷺ) سے آگے نہ بڑھا کرو۔ یعنی آپ ﷺ نے ابھی اپنی قربانی کے جانور ذبح نہیں فرمائے، لہٰذا تم اپنے جانور حضور علیہ السلام سے پہلے ذبح نہیں کر سکتے۔ حکم ہوا کہ ایسے لوگوں کی قربانیاں نہیں ہوئیں، وہ فقط گوشت ہے، حلال ہے، کھاؤ مگر قربانی دوبارہ دو۔

اس آیت کا ایک شانِ نزول یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ بعض اوقات آقا علیہ السلام کے ارشاد فرمانے سے پہلے کوئی صحابی بات کر لیتے تو حکم آ گیا کہ رسول اکرم ﷺ کے کلام فرما لینے سے پہلے نہ بولو، بلکہ چپ رہو۔ جب تک حضور علیہ السلام کلام نہ فرما لیں، تم کلام نہیں کر سکتے۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ بعض لوگوں نے عملِ قربانی اور بولنے میں حضور نبی اکرم ﷺ سے سبقت کی ہے، اللہ کے کلام کرنے سے پہلے تو کوئی نہیں بولا تھا، اللہ کے بولنے کا بندوں کے بولنے سے کیا موازنہ و مقابلہ؟ اسی طرح اللہ کی ذات تو عملِ قربانی سے بھی پاک ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم تو آقا علیہ السلام کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ ان تمام امور میں پہل اور سبقت فعلِ رسول ﷺ پر ہوئی ہے، فعلِ الٰہی پر نہیں مگر جب آیتِ کریمہ نازل ہوئی اور لوگوں کو آقا علیہ السلام کی عظمت، رفعت، تقدم، شان، توقیر اور تعظیم سمجھانا مقصود تھا تو اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کا نام تنہا نہیں لیا کہ رسول پر پہل نہ کیا کرو بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنا نام بھی ساتھ ملایا اور فرمایا: لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے آگے نہ بڑھا کرو۔

اس سے ایک بات واضح ہوگئی کہ شانِ نزول میں مذکور امور میں سے کسی ایک امر میں بھی ذاتِ الٰہی پر یا اس کے کسی فعل پر نہ تو تقدم تھا اور نہ اس کا تصور کیا جا سکتا ہے، پہل تو حضور علیہ السلام کے فعل پر ہوئی ہے، اب اللہ تعالیٰ ان کو روکنا چاہتا تو یوں بھی فرما سکتا تھا کہ خبردار! کوئی شخص محبوب ﷺ کے کلام کرنے سے پہلے کلام نہ کرے اور کوئی شخص میرے محبوب ﷺ کے عمل سے پہلے کوئی عمل نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ ادب تو رسول اللہ ﷺ کا سکھانا چاہتا ہے مگر رسول اللہ ﷺ کے نام کے ساتھ اپنا نام جوڑ دیا۔

سمجھانا مقصود یہ تھا کہ رسول اکرم ﷺ کے کسی کلام یا عمل پر پہل کرنا، گویا اللہ تعالیٰ پر پہل اور سبقت کرنے کے مترادف ہے۔ کوئی ایسا عمل جو بارگاہِ رسالتِ مآب اور مجلسِ رسول ﷺ کے ادب کے خلاف ہو، وہ صرف رسول ﷺ کے ادب کے خلاف نہیں بلکہ وہ حضورِ الوہیت کے بھی ادب کے خلاف ہے۔ ان دونوں کو عین یک دگر بنانا مقصود تھا کہ بتایا جائے کہ ادبِ رسول؛ ادب الٰہی ہے اور تعظیمِ رسول؛ اللہ کی تعظیم و توقیر ہے۔ رسول کی مجلس کے آداب اسی طرح ہیں گویا اللہ کے حضور حاضر ہیں۔ ان

دونوں کا ادب اور تعظیم ایک ہی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنا اور رسول اللہ ﷺ کا نام دونوں کو واؤ عاطفہ کے ذریعے جوڑ دیا۔

معلوم ہوا کہ قرآن مجید کا اسلوب بھی یہ ہے کہ بات فقط رسول کی کرنی تھی، مگر اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو تنہا نہیں رہنے دیتا اور جہاں رسول کی بات ہوتی ہے، وہاں خود کو ساتھ ملا دیتا ہے کہ کوئی میرے رسول ﷺ کو کسی حکم کے باب میں تنہا نہ سمجھے اور حضور علیہ السلام کے حکم کی اہمیت فقط حضور ﷺ کی ذات کے حوالے سے متعین نہ کرلے۔ بے شک رسول اللہ ﷺ کا درجہ اللہ تعالیٰ کے بعد ہوتا ہے، اللہ، اللہ ہے اور رسول رسول ہے، وہ خالق ہے، رسول مخلوق ہیں۔ وہ معبود ہے اور رسول عبد ہیں، وہ بھیجنے والا ہے اور رسول اس کی طرف سے آنے والے ہیں۔ مگر کوئی اس فرق کو سامنے رکھ کر رسول کے ادب کو ادبِ الٰہی کے مقابلے میں کم نہ کر بیٹھے۔۔۔ کوئی رسول کی تعظیم اور توقیر کے حق کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے حق کے مقابلے میں کم نہ سمجھ لے۔۔۔ کوئی رسول ﷺ کے ساتھ معاملۂ ادب کو اللہ کے ساتھ معاملۂ ادب کے مقابلے میں ہلکا نہ جانے۔۔۔ اس فرق کو مٹانے کے لیے اللہ رب العزت نے ایک ہی حکم میں واؤ عاطفہ لگا کر اللہ اور رسول دونوں کے ادب کو یکجا کردیا اور انھیں ایک مقام اور ایک درجہ میں جمع کردیا۔ پس اللہ؛ رسول کو تنہا نہیں رہنے دیتا، جہاں رسول کی بات ہوتی ہے، خود کو ساتھ ملا کر ذکر کرتا ہے اور جہاں اپنی بات ہوتی ہے، وہاں رسول کو ساتھ ملا کر ذکر کرتا ہے۔ اس طرح دونوں ناموں کو اللہ تعالیٰ جوڑ کر رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنا اور اپنے محبوب ﷺ کا نام جوڑ کر رکھے مگر افسوس کہ لوگ انھیں جدا کرنے کی بات کرتے ہیں۔۔۔ اللہ؛ حکمِ ادب، حکمِ اطاعت، حکمِ محبت، حکمِ بیعت، حکمِ تعلق، حکمِ حیا، حکمِ رضا اور حکمِ عطا کے فرق کو مٹاتا ہے جبکہ یہ لوگ اس فرق کو پیدا کرتے ہیں۔۔۔ یہ فرق پیدا کرنے والے کس قرآن، شریعت اور دین پر کاربند ہیں۔۔۔؟ یہ دین اور اسلام کا وہ تصور نہیں ہے جو اللہ نے قرآن مجید کی شکل میں بھیجا اور جو رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کو دیا۔

جو اسلوب قرآن مجید میں تھا، اسی اسلوب کو آقا علیہ السلام نے اپنی زندگی میں اپنایا۔ جہاں اپنی بات ہوتی تو آپ ﷺ اپنا ذکر بھی تنہا نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں اپنا ذکر تنہا نہیں کرتا بلکہ عبادت اور ایسے خاص امور جو رسول کے لیے جائز نہیں اور صرف اللہ کا حق ہے،

اُن امور کے علاوہ محبوب ﷺ کا نام اپنے ساتھ ملاتا ہے۔ اسی طرح آقا علیہ السلام تنہا اپنا ذکر نہ کرتے بلکہ اللہ کا ذکر بھی ساتھ کرتے تا کہ لوگ حکم کی اہمیت میں تفریق نہ کریں۔ اس اسلوب سے اللہ اور رسول میں محبت اور احکام کی اطاعت کے باب میں تفریق کے فتنہ کی جڑ کاٹنا مقصود تھا۔

اسی اسلوب کی ایک مثال گدھے کی حرمت کے اعلان کے الفاظ میں موجود ہے کہ فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ يَنْهَيَانِكُمْ اللہ اور اس کا رسول دونوں تمھیں گدھے کے گوشت کھانے سے منع کررہے ہیں۔ حالانکہ دونوں نے الگ الگ منع نہیں کیا۔ منع صرف رسول نے کیا مگر آقا علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ اللہ اور اس کے رسول دونوں کا منع کرنا ہے۔ اگر اس بات کی پھر بھی کسی کو سمجھ نہ آئے تو پھر وہ شوق سے اس نئی ڈش کو شروع کرسکتے ہیں۔ ہم تو نہیں کھائیں گے، ہم تو رسول کے حرام کیے ہوئے کو حرام جانتے ہیں۔ جنھیں رسول کا حرام کیا ہوا حرام نظر نہیں آتا، ان کے لیے ایک اور کاروبار کھل گیا ہے۔ (استغفر اللہ العظیم) کوئی مسلمان ایسا نہیں کرسکتا، لہٰذا اپنے تصورات اور عقائد کو درست کریں۔

مذکورہ حدیث کی شرح میں ابن حجر عسقلانی، فتح الباری میں لکھتے ہیں:

قوله: ينهيانكم في رواية سفيان الآتية ينهاكم بالإفراد وفي رواية عبد الوهاب بالتثنية وهو دال على جواز جمع اسم الله مع غيره في ضمير واحد۔

(ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۷: ۴۶۸، رقم: ۳۹۶۳)

ينهيانكم کا لفظ روایتِ سفیان میں ''ينهاكم'' واحد کے ساتھ آیا ہے اور روایت عبدالوہاب میں تثنیہ کے ساتھ ''ينهيانكم'' آیا ہے۔ یہ اللہ کے نام کو اس کے غیر کے ساتھ ضمیر واحد میں جمع کرنے پر دلالت کرتا ہے۔

گویا روایتِ سفیان کے مطابق معنی یہ ہوگا کہ اللہ اور اس کا رسول تمھیں منع کرتا ہے۔ واحد کا صیغہ لگا کر دونوں کا منع کرنا شامل کرنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اللہ کا اور رسول ﷺ کا منع کرنا دو الگ الگ منع نہیں ہیں بلکہ اللہ کا منع کرنا ہی رسول کا منع کرنا ہے اور رسول کا منع کرنا ہی اللہ کا منع کرنا ہے۔ خواہ ضمیر واحد کی لگا دیں یا تثنیہ کی لگا دیں، فرق نہیں پڑتا۔

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے اسماء کو واؤ عاطفہ کے ساتھ ایک ہی حکم میں یکجا کرنا، اس اسلوب کو حضور نبی اکرم ﷺ بھی اپناتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اپناتے۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں؛ جن سے معلوم ہوگا کہ دین کا معیار دراصل یہی ہے۔

۱۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بنی قریظہ کے قصہ کے حوالے سے روایت کرتی ہیں کہ بنو قریظہ کے محاصرہ کے دوران حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو فیصلہ کرنے کے لیے بھیجا گیا تو ان کے فیصلہ پر آقا علیہ السلام نے فرمایا:

لَقَدْ حَكَمْتَ فِيهِمْ بِحُكْمِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ وَحُكْمِ رَسُولِهِ۔ (بخاری، الصحیح، کتاب المناقب، باب مناقب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، ۳: ۱۳۸۴، رقم: ۳۵۹۳)

سعد تونے اللہ کے حکم اور اللہ کے رسول کے حکم کے مطابق صحیح فیصلہ کیا۔

حکم آقا علیہ السلام نے دیا تھا مگر آقا علیہ السلام نے واؤ عاطفہ کے ساتھ اللہ کے نام کو بھی اپنے ساتھ جوڑ دیا۔ گویا اللہ نے کبھی اپنے اور رسول کے حکم کو جدا نہیں کیا اور نہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو جدا کیا ہے۔

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِأَهْلِهِ وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا فَعَلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ وَعَلَى رَسُولِهِ۔ (أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۱۵، رقم: ۱۳۲۷۴)

جو شخص قرض چھوڑ کر مرجائے تو اس کے قرض کی ادائیگی اللہ اور اس کے رسول کے ذمے ہے۔

یعنی جن لوگوں کا قرض ادا کرنے والا کوئی نہیں تو ان کے قرض کی ادائیگی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ذمہ لے لی۔ سوال یہ ہے کہ ادائیگی قرض کی ذمہ داری آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ذمہ تو لے لی مگر اللہ کے ذمہ کیسے ہوگی؟ ایک شخص پر دس ہزار یا ایک لاکھ روپے کا قرض ہے اور وہ مرگیا ہے، اب اللہ اس کا قرض کیسے اتارے گا؟ کیا کوئی خانہ کعبہ کے پاس یا کسی مسجد میں جاکر بیٹھ جائے اور کہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ قرض اللہ کے ذمہ ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ ہے، اے اللہ! میں اب تیرے گھر میں آگیا ہوں، مجھے تو ہی قرض واپس کر دے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی ادائیگی کا ذمہ اپنے ساتھ اللہ کو بھی کیوں ٹھہرایا؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ آقا علیہ السلام اس قرض کو اپنے ذمہ لے رہے ہیں۔ جب حیاتِ ظاہری میں تھے تو فرماتے کہ اگر وارث قرض ادا کرنے کے قابل نہیں تو مجھ سے لے لو اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس غنائم اور فتوحات کے اموال آتے، ان میں سے قرض ادا کردیتے تھے۔ حضور علیہ السلام حکم اپنی ذاتِ اقدس کے لیے دے رہے ہیں مگر اللہ کی ذات کو اپنے ساتھ اس لیے ملا دیا تاکہ یہ تصور واضح فرمادیں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کو عطا کر رہے ہیں تو وہ ایسا ہی ہے گویا اللہ تعالیٰ عطا کررہا ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کا قرض دے رہے ہیں تو گویا اللہ

کی طرف سے ادائیگی ہو رہی ہے۔ پس آپ ﷺ نے اپنے عمل میں اللہ کو بھی شریک کر دیا اور واؤ عاطفہ لگا کر تشریک کر کے ایک ہی عمل بنا دیا۔

ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس کا اطلاق آج کیسے ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے جب آپ ﷺ نے فرما دیا کہ یہ میرے ذمہ ہے تو آپ ﷺ کے وصال مبارک کے بعد اب امت میں رسول اللہ ﷺ کے نائب مسلمان حکمران ہیں۔ آپ ﷺ ایک حکمران کی حیثیت سے سمجھا رہے ہیں کہ اگر غریب مقروض مر جائے اور اس کے وارث اس قرض کو ادا کرنے کے قابل نہ ہوں تو وقت کے حکمرانوں کے ذمے قرض کی ادائیگی ہوگی۔ اس وقت کے صدر، وزیراعظم، گورنر، وزیر اعلیٰ اور وزیر ذمہ دار ہوں گے۔ قیامت کے دن جب اس غریب مقروض کے قرض کی ادائیگی کے حوالے سے پوچھا جائے گا تو اس کا وبال ان حکمرانوں پر ہوگا۔ اس لیے کہ جہاں لوگ قرض کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے، بھوک سے مر رہے ہیں، قرض ان کی زندگی کا سہارا ہے، اگر کوئی مقروض مر گیا اور اس کا وارث قرض ادا نہیں ہو سکتا تو اس کی ذمہ داری ریاست اور حکومت پر ہوتی ہے۔

پس ہر حکمران اپنی ریاست میں ایک شخص بھی ایسا نہ چھوڑے، جو قرض چھوڑ کے مرے۔ ہر شخص کو اتنے وسائل مہیا ہوں کہ وہ قرض لیے بغیر زندگی گزارے اور اگر قرض لے تو قرض ادا کر کے مرے یا اس کے وارث وسائل میں سے قرض ادا کر سکیں۔ افسوس کہ ہمارے ہاں پوری سوسائٹی مقروض مر رہی ہے اور قرض پر ہی زندگی گزار رہی ہے۔ قرض تو ایک طرف رہا اب تو لوگ حرام کھا کر جی رہے ہیں اور حکمرانوں کو سرے سے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ افسوس کہ آج یہی حکمران اژدھا اور گنجا سانپ بن کر قوم و ملک کا خزانہ لوٹ کر کھا رہے ہیں۔ شریعت نے قرض کی ادائیگی اسلامی حکمرانوں کے ذمہ فرض کر دی ہے۔ فرمانِ رسول ﷺ کے مطابق اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ذمہ قرض ہونے کا مطلب یہی ہے کہ اسلامی حکومت؛ سلطنت اور ریاست کے قومی خزانے سے اس کی ادائیگی کرے۔

(جاری ہے)

فقہی مسائل

مسلکی اختلاف کی بنا پر قطع رحمی؟

دارالافتاء تحریک منہاج القرآن، زیرِ نگرانی: مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

سوال: مسلکی اختلاف کی بنیاد پر قطع رحمی کرنا کیسا ہے؟

جواب: کوئی بھی مسلمان جو اسلام کے بنیادی عقائد اور ضروریاتِ دین کا قائل اور اہلِ قبلہ میں سے ہونے کا مدعی ہے، اُسے دائرۂ اسلام سے خارج سمجھنا کسی طور درست نہیں۔ مسلمان مسالک اور فرقوں میں اختلافات نظری و فروعی نوعیت کے ہیں، ایمانیات اور عبادات کی اصل اِن مسالک کے نزدیک ایک ہی ہے۔ فروعی اختلافات کو بنیاد بنا کر کسی مسلک کا سماجی بائیکاٹ کرنا اسلام کی روحِ وحدت کے خلاف ہے۔ اس لیے کوئی بھی شخص جو:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی ذات، اسماء و صفات اور افعال کا منکر نہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، اسماء اور افعال میں کسی کو اس کا شریک نہیں جانتا۔

۳۔ اُن امور کی تکذیب نہیں کرتا جن کی خبر اللہ تعالیٰ نے غیب سے دی ہے، جیسے تقدیر، فرشتوں، جنت و دوزخ، بعث بعد الموت، میزان، حساب اور جنات وغیرہ۔

۴۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا کسی پیغمبر کی نبوت و رسالت کا منکر نہیں ہے یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کو پیغمبر نہیں مانتا۔

۵۔ قرآن مجید یا الہامی کتب جیسے تورات، انجیل، زبور یا دیگر صحائف میں سے کسی کو جھٹلا نہیں رہا۔

۶۔ ثابت شدہ امورِ دین جیسے زنا، سود، شراب وغیرہ کی حرمت یا نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کے وجوب میں سے کسی کا انکار نہیں کرتا۔

۷۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں مزاح و تخفیف کا رویہ نہیں اپناتا اور اُن کا مذاق نہیں اڑاتا۔

۸۔ اپنے ارادہ واختیار سے کوئی ایسا فعل انجام نہیں دیتا جو دین کی تکذیب کے زمرے میں آتا ہو، جیسے کفار کے مذہبی شعار کو اپنانا، اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ یا کلامِ الٰہی کی اہانت کرنا، کسی باطل عقیدے یا اُس کے حامل گروہ کی طرف اپنی نسبت کرنا۔

۹۔ دین کے کسی قطعی، واضح اور بدیہی حکم کی ایسی تاویل نہیں کرتا جو اجماعِ امت کے خلاف اور بے بنیاد ہو اور شریعت کے کسی دوسرے حکمِ قطعی سے ٹکرا رہی ہو۔

تو ایسے شخص کو مسلمان ہی سمجھا جائے گا اور اس سے قطع تعلقی یا قطع رحمی کرنا کسی طور جائز نہیں ہے۔

مذکورہ تفصیل صرف نفس مسئلہ اور اس کی حساسیت سمجھانے کیلئے لکھی گئی ہے، کسی کے قول و فعل کی مذکورہ نکات سے تطبیق صرف ماہر و مستند اہلِ فتویٰ کا کام ہے، عامۃ الناس کا کسی ایک مسلمان یا مسلمانوں کے کسی پورے گروہ کو کافر، گستاخ یا مشرک بنا کر اس سے اظہارِ برأت اور سوشل بائیکاٹ کسی طور بھی کرنا جائز نہیں ہے۔

قطع رحمی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو سخت ناپسند ہے اور اسے کے متعلق سخت وعیدیں وارد ہیں۔ ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ م بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ۔ (الرّعد، ۱۳: ۲۵)

”اور جو لوگ اللہ کا عہد اس کے مضبوط کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور ان تمام (رشتوں اور حقوق) کو قطع کر دیتے ہیں جن کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم فرمایا ہے اور زمین میں فساد انگیزی کرتے ہیں انہی لوگوں کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے برا گھر ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر قطع رحمی کو فساد فی الارض جیسے گھناؤنے جرم کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اسے منافقت کی علامت قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعُ رَحِمٍ. (مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب صلۃ الرحم وتحریم قطیعتھا، ج/۴، ص/۱۹۸۱، الرقم ۲۵۵۶)

”قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔“

مذکورہ بالا تصریحات کے مطابق قطع تعلقی جائز نہیں ہے۔ اس لیے فروعی اختلافات کی بنیاد پر کسی مسلک کے مسلمانوں سے قطع تعلق کرنا حرام عمل ہے۔ اس لیے کسی مسلمان کے دوسرے مسلک سے ہونے یا دوسرے مسلک سے تعلق رکھنے کی وجہ سے تعلق نہ توڑا جائے۔ اپنے مسلک پر قائم رہیں لیکن دوسروں کو اپنے مسلک پر رہنے کا حق دیں۔ قطع تعلقی کر کے گناہِ عظیم کا مرتکب نہ ہوں، کسی کے نظریات میں بگاڑ ہے تو اُسے دلیل سے سمجھائیں اور اُسے راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں مگر فساد انگیزی سے پرہیز کریں اور دوسروں کو بھی اچھائی کی دعوت دیں۔

(اس مسئلہ کی وضاحت کیلئے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی کتاب 'فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟' کا مطالعہ کریں۔)

سوال: مقدس اوراق اور غلافوں کو کس طرح ٹھکانے لگایا جائے؟

جواب: ”حضرت ابن شہاب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ (خلافت عثمانی میں) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ جب اہلِ شام اور اہلِ عراق کی معیت میں ارمینیہ اور آذر بائیجان کی فتوحات حاصل کر رہے تھے تو امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے کیونکہ انہیں شامیوں اور عراقیوں کی قرات میں اختلاف نے تڑپا دیا تھا۔ چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے: اے امیر المومنین! یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب الٰہی میں اختلاف کرنے سے پہلے اس امت کی دستگیری فرمائیے۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو پیغام بھیجا کہ قرآن کریم کا جو اصل نسخہ آپ کے پاس محفوظ ہے وہ ہمیں عنایت فرمائیے۔ ہم اسے واپس کر دیں گے تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے وہ نسخہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ سو انہوں نے حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سعد بن العاص اور حضرت عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا تو انہوں نے اس کی نقلیں کیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آخر الذکر تینوں قریشی حضرات سے فرمایا کہ جب تمہارے اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے درمیان کسی لفظ میں اختلاف واقع ہو تو اسے قریش کی زبان میں لکھنا کیونکہ قرآن مجید کا نزول ان کی زبان میں ہوا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اصل نسخہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو واپس کر دیا۔ پھر نقل شدہ نسخوں سے ایک ایک نسخہ ہر علاقے میں بھیج دیا گیا۔ حکم دیا کہ ان کے خلاف جو کسی کے پاس قرآن کریم کا نسخہ ہو، اسے جلا دیا جائے۔ ابن شہاب رضی اللہ عنہ کو خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بتایا اور انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے سنا کہ قرآن کریم کو جمع کرتے وقت مجھے سورۃ الاحزاب کی ایک آیت نہیں مل رہی تھی حالانکہ وہ میں نے رسول

اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سنی تھی۔ جب ہم نے اسے تلاش کیا تو حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملی یعنی: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (الاحزاب ۳۳: ۲۳) تو ہم نے جمع کردہ نسخہ کے اندر اس کی سورت کے مقام پر اسے لکھ دیا"۔

(بخاری، الصحیح، ۴: ۱۹۰۸، رقم: ۴۷۰۲)

ہمارے فقہائے کرام نے لکھا ہے:

ألمصحف إذا صار خلقا لا يقرأ منه ويخاف أن يضيع يجعل في خرقة طاهرة ويدفن و دفنه أولى من وضعه موضعا يخاف أن يقع عليه النجاسة أونحو ذلك ويلحد له لانه لو شق و دفن يحتاج إلى أهالة التراب عليه وفي ذلك نوع تحقير إلا إذا جعل فوقه سقف بحيث لا يصل التراب إليه فهوحسن أيضاً. ألمصحف إذا صار خلقا و تعذرت القراءة منه لا يحرق بالنار.

(الفتاوی الهندية، ۵: ۳۲۳)

"جب قرآن کریم پرانا ہو جائے اور پڑھا نہ جائے اور ضائع ہونے کا ڈر ہو تو اسے پاکیزہ کپڑے میں باندھ کر دفن کر دیا جائے اور دفن کرنا اس سے بہتر ہے کہ کسی ایسی جگہ رکھ دیا جائے جہاں اس پر نجاست وغیرہ پڑنے کا ڈر ہو اور دفنانے کے لئے لحد کھودے کیونکہ اگر سیدھا گڑھا کھودا اور اس میں بوسیدہ قرآن دفن کر دیا تو اوپر مٹی ڈالنے کی ضرورت پڑے گی اور اس میں ایک طرح کی بے ادبی ہے ہاں اگر اوپر چھت ڈال دے کہ قرآن کریم تک مٹی نہ پہنچے تو یہ بھی اچھا ہے۔ قرآن کریم جب بوسیدہ ہو جائے اور اس سے قرات مشکل ہو جائے تو اسے آگ میں نہ جلایا جائے"۔

لہٰذا بہتر یہی ہے کہ بوسیدہ اوراق قرآن کریم کے ہوں یا حدیث پاک کے یا کسی دینی کتاب کے جن میں قرآن و حدیث کے حوالے نقل کئے گئے ہوں ان کو جلایا نہ جائے اور مذکورہ بالا طریقہ سے ان کو دفنا دیا جائے مگر اس خیال سے کہ آج کل دفنانے کے لئے محفوظ زمین کا ملنا مشکل ہے بالخصوص شہروں میں نیز جہاں محفوظ جگہ سمجھ کر ان اوراق کو دفنایا گیا ہے عین ممکن ہے کہ کوئی انسان لاعلمی میں اس جگہ پر پیشاب کرے اور گندے اثرات ان اوراق مبارکہ تک پہنچ جائیں، اس لیے دریا برد کرنا بہتر ہے۔ مگر دریا برد کرنے میں بھی بے ادبی کا آج کل بہت امکان ہے جبکہ اختلاف و انتشار امت سے بچنے اور فتنہ و فساد کے امکانات ختم کرنے کی خاطر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کے نسخوں کو جلوا دیا اور کسی صحابی نے اس پر انکار نہ کیا۔ پس جلانے کے جواز پر جبکہ نیت قرآنی تقدس کی حفاظت کرنا ہو معاذاللہ بے ادبی کرنا نہ ہو، صحابہ کرام کا اجماع ہو چکا ہے۔ اسی لئے فقہائے کرام نے بہت نرم لہجے

میں جلانے سے منع فرمایا مگر جلانے پر کوئی سخت حکم نہ لگایا کہ اس کے جواز کی بنیاد موجود تھی۔ لیکن دور حاضر میں مقدس اوراق کو بے ادبی سے بچانے کا مسئلہ انتہائی پریشان کن اور تکلیف دہ صورت حال اختیار کر چکا ہے۔ ایسی صورت حال کہ جس سے بچنا قریب ناممکن ہے۔ لہٰذا جس حد تک ہو سکے بے ادبی سے بچنے کی کوشش کی جائے۔ اس معاملہ میں چند اقدامات عمل میں لانے کی اشد ضرورت ہے جو درج ذیل ہیں:

۱۔ سب سے پہلے تو لوگوں میں ان کی بے ادبی کے بارے میں شعور پیدا کیا جائے تاکہ لوگ ان کا غلط استعمال نہ کریں۔

۲۔ جن جن جگہوں پر ان کا عام استعمال کرنا باعثِ بے ادبی ہے وہاں کوئی متبادل طریقہ کار اپنایا جائے۔

۳۔ مقصد حاصل کرنے کے بعد ان کو محفوظ کرنے کا بندوبست کیا جائے۔

آج کل ان کو ندی نالے، نہر یا دریا میں نہ گرایا جائے کیونکہ ایک تو پرنٹنگ ہونے کی وجہ سے سال بھر پانی میں بھی پڑے رہنے سے الفاظ قائم رہتے ہیں اور دوسرا ندی نالے بھی گٹر، جوہڑ اور غلاظت سے پُر ہیں۔ لہٰذا اوراق مقدسہ کو ان میں ڈالنا بھی بے ادبی ہے۔ اس لیے بہتر حل یہ ہے کہ ان کو جمع کر کے پلانٹ کے ذریعے ان سے دوبارہ کاغذ، گتہ وغیرہ تیار کیا جائے تاکہ بے ادبی سے بھی بچ جائیں اور فائدہ بھی حاصل کیا جاسکے۔ اترنے والی سیاہی کو دھوپ یا پلانٹ کے ذریعہ خشک کر دیا جائے۔

چند مقامات پر پرانے بوسیدہ قرآن کریم کے نسخوں کو لاکھوں روپے لگا کر ان کی مرمت اور جلد بندی کر کے ان کو عمدہ الماریوں میں رکھ کر محفوظ کیا جاتا ہے۔ ان نسخوں کو نہ کوئی پڑھتا ہے، نہ ہاتھ لگاتا ہے۔ صرف نمائش کے لیے رکھے جاتے ہیں۔ نیت میں خلوص ہو تو یہ کام بھی اجر و ثواب سے خالی نہیں۔ مگر اس کا امت کو فائدہ کیا ہے؟ یہ سوالیہ نشان ہے اور رہے گا۔ کیونکہ اب لوگ خوشحال ہیں۔ ماشاء اللہ عمدہ کاغذ، رنگین طباعت، حسین جلدیں، مضبوط پلاسٹک کور اور صحیح تر نسخے تلاوت کے لیے مفید و مقبول ہیں۔ اس لیے اب ان قرآن محلات کو عمدہ لائبریریوں میں بدل دیا جائے۔ قرآن و سنت کے جدید اور عمدہ نسخے ان میں مہیا کئے جائیں۔ مختلف علماء کرام کے تراجم ہمراہ ہوں۔ قدیم و جدید تفاسیر و لغات و شروح بھی ہوں، تاریخ و سیرت کی معتمد علیہ کتب بھی ہوں اور ریسرچ کے جدید ترین ذرائع بھی بروئے کار لائے جائیں تاکہ علمی روشنی پھیلے، جہالت کے سائے نیست و نابود ہوں اور مخلوق خدا کی علمی پیاس بجھنے کا سامان ہو۔

معاشرتی ذمہ داریاں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

ڈاکٹر حافظ سعد اللہ

انسانی معاشرے میں لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا انسان کی طبعی و فطری ضرورت ہے۔ لوگوں کے باہمی تعاون کے بغیر اس کی دنیوی و اخروی مصالح کی تکمیل ہو سکتی ہے نہ ضروریاتِ زندگی کی۔ انسان کے لیے معاشرے میں دیگر ہم جنسوں کے ساتھ مل جل کر رہنا اور گزر بسر کرنا، جب اس کی ضرورت قرار پایا تو لامحالہ اس کا تعلق کسی نہ کسی حیثیت / حوالے سے دوسرے لوگوں کے ساتھ قائم ہو گا۔ اس تعلق کو بحسن و خوبی نباہنے، قائم رکھنے کا مطلب ہی معاشرتی ذمہ داریاں ہے۔

معاشرتی ذمہ داریوں کی درج بالا تعریف کی روشنی میں ہم انہیں حقوق العباد سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ قرآن و سنت کی متعدد تصریحات، تعلیماتِ نبوی اور اسوہ رسول ﷺ سے مترشح ہوتا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کی نگاہ میں حقوق العباد کی ادائیگی، حقوق اللہ کی ادائیگی سے زیادہ اہمیت اور فوقیت رکھتی ہے۔

قرآن مجید کی متعدد آیات کے مطابق اللہ کریم نے شرک اور کفر کے سوا دیگر بڑے سے بڑے گناہوں اور حقوق اللہ میں کوتاہی کو قابلِ معافی قرار دیا ہے جبکہ حقوق العباد یا معاشرتی ذمہ داریوں میں کوتاہی کی معافی اللہ کریم نے اپنے ہاتھ میں نہیں رکھی بلکہ ان بندوں کے ہاتھ میں رکھی ہے جن کے ساتھ کوتاہی یا ظلم و زیادتی عمل میں لائی گئی ہے۔ معاشرتی ذمہ داریوں کی ادائیگی کا مقام و مرتبہ اللہ رب العزت کے اس فرمان سے واضح ہوتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

لَيۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَلٰـكِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَالۡمَلٰٓـئِكَةِ وَالۡكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ‌ وَاٰتَى الۡمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنَ وَابۡنَ السَّبِيۡلِ وَالسَّآئِلِيۡنَ وَفِى الرِّقَابِ‌ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّکٰوةَ ‌وَالۡمُوۡفُوۡنَ بِعَهۡدِهِمۡ اِذَا عٰهَدُوۡا وَالصّٰبِرِيۡنَ فِى الۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيۡنَ الۡبَاۡسِ‌ اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ۔ (البقرہ:۱۷۷)

”نیکی صرف یہی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے، اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور جب کوئی وعدہ کریں تو اپنا وعدہ پورا کرنے والے ہوں، اور سختی (تنگدستی) میں اور مصیبت (بیماری) میں اور جنگ کی شدّت (جہاد) کے وقت صبر کرنے والے ہوں، یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیز گار ہیں۔“

اس آیت میں اللہ کریم نے ایمان کے ساتھ ساتھ چند بڑی نیکیاں گنوائی ہیں۔ ان نیکیوں میں معاشرتی ذمہ داریوں یا حقوق العباد کی ادائیگی کو نماز، زکوٰۃ جیسے ارکان یا فرائضِ اسلام کی ادائیگی پر مقدم رکھا گیا ہے۔

صحیح مسلم (کتاب البر والصلۃ باب فضل عیادۃ المریض) کی ایک حدیثِ قدسی (رقم ۲۵۶۹) کے مطابق اللہ کریم نے بعض معاشرتی ذمہ داریوں (مریض کی عیادت، بھوکے انسان کو کھانا کھلانا، پیاسے آدمی کو پانی پلانا) کی عدم ادائیگی پر سخت سرزنش کرتے ہوئے ان کی ادائیگی کو اپنے ساتھ معاملہ کرنے کے مترادف قرار دیا ہے۔

ایک اور مقام پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ امتِ مسلمہ میں مفلس آدمی وہ نہیں جس کے پاس روپیہ پیسہ نہ ہو بلکہ وہ آدمی ہوگا جس نے دنیا میں نماز، روزہ، زکوٰۃ جیسی عبادات کے ساتھ ساتھ بعض معاشرتی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہوئے بعض لوگوں کے ساتھ زیادتی کر کے ان کی حق تلفی کی ہوگی۔ اس کی نیکیاں اور عبادات لے کر ان مظلومین کے حقوق کو پورا کیا جائے گا اور اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (جامع الترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، باب ماجاء فی شان الحساب والقصاص، الرقم:۲۴۱۸)

معاشرتی اخلاقی تعلیمات پر قرآن مجید میں 100 سے زائد آیات کریمہ ہیں۔ اسی طرح احادیثِ نبوی میں درج معاشرتی اخلاقی تعلیمات کے ابواب التراجم پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ سیرۃ النبی ﷺ میں معاشرتی اخلاقی تعلیمات کی کتنی اہمیت، دنیوی و اخروی برکت اور عظمت و فضیلت

ہے۔ حدیث کا سارا ذخیرہ چھوڑ کر صرف صحاحِ ستہ مثلاً صحیح بخاری کی ’’کتاب الادب‘‘ اور ’’کتاب الاستیذان‘‘، صحیح مسلم کی ’’کتاب البر والصلۃ والادب‘‘، جامع ترمذی کے ’’ابواب البر والصلۃ عن رسول اللہ ﷺ‘‘، سنن ابی داؤد کی ’’کتاب الادب‘‘ اور سنن ابن ماجہ کے ’’ابواب الادب‘‘ کے تراجم، ابواب اور عنوانات پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے ہی معاشرتی اخلاقی تعلیمات کی حد درجہ اہمیت و ضرورت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

معاشرتی ذمہ داریوں سے فرار تعلیماتِ نبوی اور اسوہ رسول ﷺ کے خلاف ہے

معاشرتی ذمہ داریوں کے شرعی فرض سے عہدہ برآ ہونے اور ان کی ادائیگی کے ساتھ مشروط فضائل کے حصول کے لیے عقلی و نقلی طور پر ضروری ہے کہ آدمی معاشرے اور اجتماع کے اندر ہی رہے۔ ظاہر ہے جو آدمی شہری آبادیوں سے دور کسی جنگل، ویرانہ، غار یا مسجد میں جا کر بیٹھ جائے تو وہ ان معاشرتی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کر سکے گا۔ گوشہ نشینی، عزلت گزینی، مخلوق خدا سے کم آمیزی، جماعت سے علیحدگی، اہل و عیال، عزیز و اقارب اور دوست احباب کے تعلقات سے آزادی، دوسرے لفظوں میں معاشرتی ذمہ داریوں سے فرار کی راہ اختیار کرنا، تعلیماتِ نبوی اور حضور اکرم ﷺ کے عملی اسوہ کے خلاف ہے۔ نبی رحمت ﷺ نے اعلانِ نبوت سے قبل اور بعد تادم زیست ایک ایسے طرزِ عمل کا نمونہ پیش کیا ہے جو مخلوقِ خدا کی خدمت، رفاہ عامہ کے اقدامات، معاشرے کی اصلاح و تعمیر کی کاوشوں، مظلوموں کی داد رسی، غربا و مساکین، غلاموں، بیواؤں، یتیموں، محتاجوں اور معاشرے کے پسے ہوئے طبقات کی ہر ممکن مدد سے عبارت ہے۔

قرآن و حدیث کی متعدد نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمتِ الٰہی کا تقاضا، اللہ اور رسول ﷺ کی پسند اور پیغمبر اسلام ﷺ کا ذاتی نمونہ یہی ہے کہ انسان دنیا میں بھرپور اجتماعی اور معاشرتی زندگی بسر کرے اور خلق خدا کو نفع پہنچا کر اس حدیثِ نبوی کا مصداق بنے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

خیرالناس من ینفع الناس۔ (کنزالعمال)

تمام لوگوں میں سب سے بہتر وہ آدمی ہے جو لوگوں کے لیے نفع رسانی کا کام کرتا ہے۔

ترکِ دنیا، مردم بیزاری، عزلت گزینی، خلقِ خدا کے نفع و نقصان کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنی نام نہاد مزعومہ روحانیت کی تسکین کے لیے جنگلوں، غاروں اور عبادت گاہوں تک اپنے آپ کو محدود و محصور کر لینا، بیوی بچوں اور ازدواجی تعلقات کو خیر باد کہہ دینا، اپنی جائز اور مباح انسانی خواہشات اور ضروریات سے کنارہ کش ہو جانا، اسلام کے مزاج اور تعلیماتِ نبوی و اسوۂ رسول ﷺ کے خلاف ہے۔

معاشرے کا ہر فرد اپنی حیثیت کے مطابق ذمہ دار (راعی)

معاشرہ افراد سے عبارت ہے۔ دوسرے اور آسان لفظوں میں ہم معاشرے کو کل اور افراد کو اس کے اجزاء یا معاشرے کو ایک مشینری اور اس کے افراد کو اس کے کل پرزے قرار دے سکتے ہیں۔ جس طرح ایک مشینری کے مکمل طور پر صحیح اور تسلی بخش کام کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کا ہر پرزہ اپنے اپنے دائرے میں اور اپنی اپنی جگہ پر صحیح کام کر رہا ہو۔ چنانچہ ایک پرزہ بھی خراب ہوگا اور اپنی جگہ پر صحیح اور مطلوبہ کام نہیں کرے گا تو مشینری کے مجموعی کام یا نتیجہ میں فرق آجائے گا۔ بعض پرزوں کا تو اتنا مرکزی اور محوری کردار ہوتا ہے کہ ان کی خرابی ساری مشینری کی خرابی پر منتج ہوتی ہے۔

یہی معاملہ انسانی معاشرے کی صحت و خرابی کا ہے۔ جب تک ہر ایک فرد اپنی حیثیت کے مطابق اپنے دائرے میں اور اپنی جگہ پر معاشرے کی اصلاح و فلاح اور تعمیر و ترقی کے لیے کردار ادا نہیں کرے گا، اس وقت تک معاشرہ عروج و ترقی کر سکتا ہے اور نہ ہی امن و امان اور ہمہ جہتی اطمینان و سکون کے اعتبار سے جنت نظیر بن سکتا ہے۔ چنانچہ اولین و آخرین تمام لوگوں سے زیادہ عقل و دانش کے حامل، دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل اور اللہ کے آخری، دائمی اور آفاقی رسول سیدنا حضرت محمد مصطفی احمد مجتبیٰ ﷺ نے درج بالا معاشرتی ذمہ داری پر متنبہ کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت میں فرمایا:

الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته فالامام الذی علی الناس راع وھو مسئول عن رعیته والرجل راع علی اھل بیته وھو مسئول عن رعیته والمراۃ راعیة علی اھل بیت زوجھا وولدہ وھی مسئولة عنھم وعبد الرجل راع علی مال سیدہ وھو مسئول عنه الا فکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته۔ (بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، باب قول اللہ: اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول۔۔۔ ۲: ۱۰۵۷، الرقم: ۱۷۳۸)

خبردار! آگاہ رہو، تم میں سے ہر ایک فرد (اپنے دائرے میں) نگران/محافظ ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت (زیر نگرانی افراد، اشیاء) سے متعلق پوچھا جائے گا۔ پس (اس قاعدہ کے مطابق) لوگوں پر امیر/حاکم نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے پوچھا جائے گا اور ہر آدمی اپنے اہل خانہ پر نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت (زیر نگرانی افراد) سے متعلق بازپرس کی جائے گی اور ایک عورت اپنے شوہر کے گھر والوں اور اس کی اولاد کی نگران ہے اور اس سے ان سے متعلق سوال کیا جائے گا اور اسی طرح ایک آدمی کا غلام اپنے آقا کے مال پر نگران ہے اس سے اس کے بارے پوچھا جائے گا۔

پھر سن لو! تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت (زیر نگران افراد/ اشیاء) کی بابت پوچھا جائے گا۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس آدمی کا کوئی اہل و عیال اور خادم و غلام نہ ہو تو وہ اس حدیث کے عموم میں کیسے داخل ہوگا؟ اور وہ اس حدیث کے مطابق کس چیز کا نگران ہوگا؟ تو اس کا جواب شارحین نے یوں دیا ہے کہ ایسا آدمی اپنے اعضاء و جوارح کا نگران ہوگا کہ وہ انہیں ماموراتِ شرعیہ میں استعمال کرے اور ممنوع چیزوں سے انہیں روک کر رکھے۔ پس اس کے اعضاء و جوارح، اس کے قویٰ اور اُس کے حواس اس کی رعیت ہوں گے۔

یہ امر غور طلب ہے کہ حضور انور ﷺ کی زبانِ مبارک پر لفظ رعیت نہایت شفقت آمیز اور پُر محبت معنوں میں آیا ہے۔ جس طرح ایک چرواہا اپنی بکریوں اور جانوروں کو سرسبز چراگاہوں میں لے جاتا ہے اور ان کی شکم سیری کا سامان کرتا ہے، درندوں سے ان کی حفاظت کرتا ہے اور حادثات سے ان کو بچاتا ہے۔ اسی طرح ہر شخص بھی اپنے زیرِ نگرانی افراد کی ہر طرح کی حفاظت و تربیت کا ذمہ دار ہے۔

معاشرتی بگاڑ کی اصلاح، ہر فرد کی معاشرتی ذمہ داری

پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات اور اسوہ حسنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کے لیے اتنا ہی کافی نہیں کہ وہ اپنی ذاتی اور انفرادی اصلاح و درستگی کو مد نظر رکھے اور اس کے بعد اس کو اس بات سے کوئی سروکار نہ ہو کہ اس کے ارد گرد معاشرے میں کیا ہو رہا ہے؟ اور معاشرہ کس قسم کے اخلاقی، سماجی معاشرتی بگاڑ اور کن ہولناک خرابیوں کا شکار ہو رہا ہے؟

اس سوچ اور طرزِ عمل کے حامل لوگ سورۃ المائدۃ کی اس آیت کے ظاہر الفاظ سے بھی استدلال کرتے ہیں:

يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ۔ (المائدۃ، ۵: ۱۰۵)

”اے ایمان والو! تم اپنی جانوں کی فکر کرو، تمہیں کوئی گمراہ نقصان نہیں پہنچا سکتا اگر تم ہدایت یافتہ ہو چکے ہو۔“

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کون قرآن مجید کی مراد کو سمجھنے والا ہوگا۔ اس لیے انھوں نے درج بالا آیت کے ظاہر الفاظ سے مذکورہ استدلال کرنے والوں کی غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے فرمایا:

اے لوگو! تم اس آیت کے ظاہری معنیٰ سے استدلال کرتے ہوئے معاشرے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے باز رہتے ہو، جبکہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ بے شک لوگ

جب کسی ظالم کو دیکھتے ہیں اور (روکنے کی طاقت رکھنے کے باوجود) اس کے ہاتھ نہیں پکڑ لیتے تو ممکن ہے اللہ انہیں بھی (ظالم کے ساتھ) عمومی سزا میں مبتلا فرمائے۔

(جامع الترمذی، ابواب التفسیر، سورۃ المائدہ، الرقم: ۳۰۱۶)

کسی معاشرتی اور عمومی بگاڑ / خرابی کا نقصان اس کے مرتکب کی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس کے برے اور تکلیف دہ اثرات متعدی ہوتے ہیں اور سارے معاشرے کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اسی لیے فقہائے اسلام نے قرآن وسنت کی عمومی تعلیمات کی روشنی میں یہ فقہی قاعدہ وضع کیا ہے:

ردا المفاسد اولی من جلب المصالح۔

خرابیوں کا دور کرنا مصلحتوں / منافع کے حصول سے مقدم اور زیادہ ضروری ہے۔ (ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، ص ۷۶)

اللہ کے رسول ﷺ اپنی نگاہ و نورِ نبوت سے چونکہ ان منفی اثرات کو دیکھ رہے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے ہر فرد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذالك اضعف الایمان۔ (مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب بیان النھی عن المنکر من الایمان)

تم میں سے جو آدمی کسی (چھوٹی بڑی) برائی کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے۔ پھر اگر وہ اس برائی کو ہاتھ سے روک دینے کی استطاعت نہ پاتا ہو تو اپنی زبان سے اسے روکے اور اگر زبان سے بھی اس برائی کو روکنے کی ہمت نہ ہو تو اپنے دل سے (اسے غلط اور برا سمجھ کر) اس سے رکنے کی کوشش کرے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

بیسیوں معاشرتی خرابیاں؛ معاشرتی اور دنیوی و اخروی نقصانات کا باعث بن رہی ہیں، ان میں؛ غیبت، چغل خوری، دوغلا پن، جھوٹ، لعن طعن، گالی گلوچ، ایذاء رسانی، باہمی بغض و حسد، تجسس، مسلمانوں کو حقیر سمجھنا، تکبر، بڑائی، ملاوٹ دھوکہ دہی اور اس قبیل کی برائیاں شامل ہیں۔ یہ وہ عمومی معاشرتی خرابیاں ہیں جنھوں نے معاشرے کے امن وامان کو تباہ کر دیا ہے۔

بد قسمتی سے ہمارا معاشرہ اس وقت تعلیمات نبوی ﷺ سے دوری، اغیار کی پیروی کا شوق، مذہبی و روحانی اور سیاسی خود غرضی، قومی و ملی مفاد کی بجائے ذاتی، گروہی، جماعتی، سیاسی اور مالی مفاد کو ترجیح دینے، من حیث القوم نفس پرستی، دولت کی پوجا، عام طور پر جہالت، طبقاتی تقسیم، ناانصافی، معاشی ناہمواری، عدم مساوات، پارٹی بازی، لڑائی جھگڑا، اجتماعات میں بدزبانی، بدکلامی، گالم گلوچ جیسی معاشرتی قباحتوں کے باعث وطنِ عزیز اس وقت عمومی طور پر جس معاشرتی بگاڑ، نفرت، دوری، باہمی تعصب، عدمِ برداشت، اپنے مخالفین کی سرعام پگڑی اچھالنے، ہتک آمیز اور توہین آمیز رویہ اختیار کرنے، بازاری زبان بولنے، عیش کوشی، کرپشن، اقرباء پروری، رشوت خوری، سود خوری، میرٹ کی خلاف ورزی اور سوشل میڈیا کی مادر پدر آزادی جیسی معاشرتی خرابیوں کی آماجگاہ بن چکا ہے۔

بعثتِ نبوی ﷺ کے وقت عرب بلکہ ساری دنیا میں جو حد درجہ معاشرتی بگاڑ کی صورت حال تھی، اس کی طرف قرآن مجید نے اپنے معجزانہ ایجاز میں یوں اشارہ کیا ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِی النَّاسِ۔

”بحر و بر میں فساد ان (گناہوں) کے باعث پھیل گیا ہے جو لوگوں کے ہاتھوں نے کما رکھے ہیں۔“ (الروم، ۳۰: ۴۱)

نبی رحمت ﷺ نے اپنے درد و سوز، اخلاصِ نیت، بے لوث خدمت، لگن، محنت اور سچے جذبہ سے اگر اس معاشرے کو جنت نظیر بنالیا تھا اور عرب کے اجڈ، امی، غیر منظم اور غیر تربیت لوگوں کو قعرِ مذلت سے اٹھا کر اوجِ ثریا تک پہنچا دیا تھا، تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم آپ ﷺ کی تعلیمات اور سیرت طیبہ ﷺ پر عمل کر کے مذکورہ معاشرتی خرابیوں کو دور نہ کر سکیں۔

افراد کی اعانت؛ ہماری معاشرتی ذمہ داری

اللہ کریم نے اپنی تکوینی حکمتوں اور مصلحتوں کے مد نظر دنیا کے نظام کو چلانے کے لیے لوگوں کے درمیان مختلف اعتبارات سے درجہ بندی قائم فرمارکھی ہے۔ نبی رحمت ﷺ کی تعلیم، سیرت اور عملی اسوہ یہ ہے کہ معاشرے کے کمزور، ضرورت مند، محتاج، بے آسرا لوگوں کی اپنی استطاعت کے مطابق دامے درمے سخنے مدد کی جائے، ان کی مشکلات کو دور کیا جائے اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کا اہتمام کیا جائے اور ہر ممکن خلقِ خدا کی خدمت کی جائے۔ دنیا کے عام سیاسی و مذہبی لیڈروں اور رہنماؤں کی طرح یہ آپ ﷺ کا محض سیاسی نعرہ اور لوگوں کی ہمدردیاں سمیٹنے کے لیے دکھاوے کا ''سلوگن'' نہیں تھا بلکہ یہ آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کا تقاضا، آپ ﷺ کی فطرتِ سلیمہ اور اعلانِ نبوت سے قبل بھی آپ کی طبیعتِ ثانیہ اور عمومی عادت تھی۔

یہی وجہ ہے کہ پہلی آسمانی وحی کے نازل ہونے پر آپ ﷺ نے اپنی رفیقہ حیات سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے سامنے اپنی جان پر خدشے کا اظہار کیا تو انھوں نے آپ ﷺ کی انسان دوستی، انسانی ہمدردی اور کمزور لوگوں کی اعانت کے اوصاف و خصائل کو دلیل بناتے ہوئے صحیح بخاری کے الفاظ میں آپ ﷺ کو یوں تسلی دی:

كلا والله مايخزيك الله ابدا انك لتصل الرحم وتحمل الكل وتكسب المعدوم وتقری الضيف وتعين على نوائب الحق۔ (بخاری، الجامع الصحیح، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ)

ہرگز ایسا نہیں کہ آپ ﷺ کی جان کو خطرہ ہو۔ قسم بخدا! اللہ کریم آپ ﷺ کو کبھی بے یارو مددگار نہیں چھوڑے گا کیونکہ بے شک آپ ﷺ صلہ رحمی فرماتے ہیں، کمزور/بے آسرا آدمی کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مفلسوں/ناداروں کو کما کر دیتے ہیں۔ مہمان نوازی فرماتے ہیں اور حق کی وجہ سے پہنچنے والے مصائب میں اہلِ حق کی اعانت کرتے ہیں۔

یہ آپ ﷺ کے ذاتی طرزِ عمل پر سب سے بڑی مستند اور ناقابلِ تردید شہادت ہے۔

ایک اور مسلمہ اور عینی گواہی اس دور کی بھی ملاحظہ فرمائیے جب آپ ﷺ اللہ کا محبوب اور رسول ہونے کے ساتھ ساتھ دس بارہ لاکھ مربع میل کے حکمران بھی تھے۔ چنانچہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی چشم دید گواہی کے مطابق آپ ﷺ کے گھروں میں فقر و فاقہ کا یہ عالم تھا کہ دو دو ماہ تک گھروں میں چولہا نہیں جلتا تھا بلکہ صرف کھجور اور پانی پر گزارا ہوتا تھا۔

(بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الھبۃ و فضلھا والتحریض علیھا، ۱: ۹۴۴)

اس کا سبب حاضر باش صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بقول یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں مہمانوں کی کثرت رہتی۔ دوسرے مفلس لوگ کھانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چمٹے رہتے۔ علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی کھانا تناول فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ اور وہ اہلِ حاجت بھی شریک ہو جاتے جو مسجد سے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے آجاتے تھے۔ (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱: ۴۰۹)

معاشرے کے ضرورت مند اور حاجت مند لوگوں کے ساتھ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمال ہمدردی، خیر خواہی اور تعاون کی یہ ایک جھلک ہے، ورنہ معاشرے کے کمزور طبقات پر نوازشاتِ نبوی سے حدیث اور سیرت کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

الغرض سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں ہماری معاشرتی ذمہ داری ہے کہ ہم صرف اپنی ذاتی، خاندان اور اپنے اہل و عیال کی فلاح و بہبود اور ان کی بہتر سے بہتر زندگی کے لیے فکر مند نہ رہیں بلکہ معاشرے کے کمزور، پسے ہوئے اور نظرانداز کیے گئے لوگوں کی بھی فکر کریں۔ معاشرے کے بے سہارا، بے آسرا، یتیم بچے، بیوہ عورتیں، فقراء و مساکین کی ہر ممکن اخلاقی، مالی، قانونی اعانت کی بے لوث خدمت کرکے ہم عاقبت سنوارنے کے ساتھ دنیا میں بھی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں، برکات اور خوشنودی کا مستحق ٹھہرا سکتے ہیں۔ فقط اپنے لیے، اپنے کاروبار اور اپنے اہل و عیال کے لیے جینا کوئی کمال نہیں، کمال یہ ہے کہ آدمی دوسروں کے لیے جیے اور مرے۔ (جاری ہے)

حضرت فریدِ ملت ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ

علم و حکمت کا حسین امتزاج

خصوصی مضمون

عظیم شخصیات وہ ہستیاں ہوتی ہیں جو اپنی زندگی میں محض ذاتی فوائد کے بجائے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے جیتی ہیں۔ ان کا مقصد صرف اپنی ذات کو بلند کرنا نہیں ہوتا، بلکہ وہ معاشرتی و روحانی اصلاح کی طرف قدم بڑھاتی ہیں، تاکہ ان کے بعد آنے والی نسلیں بھی اسی روشنی سے فیضیاب ہوں۔ ان شخصیات کی زندگی ایک مسلسل محنت و جستجو کی داستان ہوتی ہے، جو کسی بھی نوع کی رکاوٹ یا مشکل کے باوجود اپنے عزم کو نہیں چھوڑتیں۔ وہ ہر غم والم، چیلنجز اور مشکلات کا سامنا اس بلند مقصد کے لیے کرتی ہیں، جن کا عام انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ان کا مقصد اس سے کہیں بلند ہوتا ہے جو ہم دیکھتے ہیں۔ ان کی محنت و کوشش کا نتیجہ ہمیشہ قدرت کی بے پایاں عنایتوں کی صورت میں سامنے آتا ہے، اور پھر ان کا مشن صرف ان کے زمانے تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ اپنی نسلوں میں اسے منتقل کر کے ایک عظیم ورثہ چھوڑ جاتے ہیں۔

ایسی ہی ایک عظیم شخصیت جنھوں نے اپنی زندگی کا مقصد صرف ذاتی کامیابی کی بجائے انسانیت کی خدمت اور امتِ مسلمہ کی رہنمائی کو بنایا، وہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے والد گرامی حضرت فرید ملت ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ ہیں۔ آپؒ کی شخصیت ایک ایسی زندگی کی عکاسی کرتی ہے جس میں علم، روحانیت، عشقِ رسول ﷺ اور امتِ مسلمہ کی فلاح کا جوہر موجود تھا۔ آپ کی زندگی کا مقصد

کبھی صرف اپنی کامیابی اور شہرت نہیں تھا بلکہ آپ نے اپنی محنت اور روحانی جستجو کے ذریعے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی صورت میں ایک ایسا شاہکار تخلیق کیا جو اُمتِ مسلمہ کی رہنمائی کے لیے ہمیشہ زندہ رہے گا۔

حضرت فرید ملتؒ وہ عظیم روحانی ہستی تھے، جنھوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ علم و حکمت کی روشنی پھیلانے اور انسانیت کی فلاح کے لیے وقف کیا۔ وہ ایک ایسے عظیم استاد، رہنما اور مربی تھے جنھوں نے علمی، روحانی اور اخلاقی میدان میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ ان کی شخصیت ایک دریا کی مانند تھی، جس میں علم، محبت، دردمندی اور اخلاص کی بے شمار لہریں تھیں۔ ان کی زندگی کا ہر لمحہ دینِ اسلام کے احیاء، اُمتِ مسلمہ کی فلاح اور روحانی ترقی کی کوششوں میں گزرا۔ ایک طرف آپ کا دل انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے تڑپتا تھا تو دوسری طرف آپ کی روح اللہ کے رازوں میں گم تھی۔

حضرت فریدِ ملت ڈاکٹر فریدالدین قادریؒ کا بچپن اور نوجوانی کے احوال اہلِ بصیرت سے مخفی نہ تھے۔ اُن کے دل و دماغ یہ گواہی دیتے تھے کہ یہ بچہ ایک دن انسانیت کا روشن چراغ بنے گا۔ ان کے اساتذہ درسِ نظامی میں اور سکول میں ان کی ذہانت و فطانت پر حیرت زدہ ہوتے، جبکہ اہلِ بصیرت ان کی کم عمری میں ہی طلبِ حقیقت، ریاضت، مجاہدہ، اور خلوت گزینی پر حیران رہ جاتے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ قدرت انھیں کسی عظیم مقصد کے لیے تیار کر رہی ہے۔ ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد آپ نے سلف صالحین کی سنت کو اپناتے ہوئے اعلیٰ مقصد کے حصول کے لیے جھنگ سے سیالکوٹ، لکھنؤ، حیدرآباد دکن، اور بعد ازاں مشرقِ وسطیٰ کے طویل سفر کیے۔ گھر کی راحتیں ترک کیں، مختلف علاقوں کی مشکلات جھیلیں، فقر و فاقہ اور بے آرامی کو مسکرا کر قبول کیا، اور اپنے دور کے عظیم علما و مشائخ سے علم حاصل کیا۔

علمی و روحانی مقام و مرتبہ

حضرت فرید ملتؒ کی شخصیت میں علم و حکمت کا ایک خوبصورت امتزاج تھا۔ آپ نے علومِ دینیہ میں گہری مہارت حاصل کی اور اپنے اس علم کا استعمال امت کی فلاح کے لیے کیا۔ آپ کا علمی سفر صرف کتابوں تک محدود نہیں تھا۔ آپ نے اپنی روحانی تربیت کے لیے مختلف بزرگوں سے فیض حاصل کیا۔ آپ نے اپنے وقت کی عظیم علمی و روحانی شخصیات کی صحبت میں رہ کر علومِ باطنی اور علومِ دین، فقہ، تصوف اور دیگر اسلامی علوم میں اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ ان بزرگوں کی رہنمائی نے آپ کو

صرف علمی لحاظ سے نہیں، بلکہ روحانی طور پر بھی بلند مقام عطا کیا۔ آپ نے اپنے اس روحانی سفر کی تکمیل میں، علم کے دریچوں کو کھولا اور اس علم سے نہ صرف اپنے آپ کو روشن کیا، بلکہ اپنے گردونواح کی دنیا کو بھی اس روشنی سے منور کیا۔ آپ کا علمی و روحانی سفر اس بات کا غماز ہے کہ علم کا سفر کبھی ختم نہیں ہوتا، بلکہ یہ ایک مسلسل تلاش ہے جو روح کی تکمیل تک جاری رہتی ہے۔

حضرت فرید ملتؒ کی شخصیت کے کئی گوشے تھے۔ وہ ایک حکیم بھی تھے اور روحانی پیشوا بھی تھے، وہ ایک عالم دین بھی تھے اور ایک روحانی شخصیت بھی۔ اسی طرح وہ صاحب اسلوب شاعر بھی تھے اور باکمال مصنف بھی تھے۔ان کی خوش قسمتی یہ کہ انہیں: محدّث الحرم الشیخ السید علوی بن عباس المالکی المکی، الشیخ المعمّر حضرت ضیاء الدین احمد القادری المدنی، الشیخ السید عبد المعبود الجیلانی المدنی، الشیخ السید محمد الفاتح بن محمد المکی الکتانی، امام عبد الباقی بن علی محمد الانصاری لکھنوی المدنی، الشیخ عبد الہادی بن علی الانصاری المحدّث لکھنوی، محدثِ اعظم علامہ محمد سردار احمد قادری، الشیخ علامہ ابو البرکات سید احمد قادری، شیخ الحدیث مولانا غلام فرید، مولانا محمد یوسف سیالکوٹی، مولانا عبد الحہ فرنگی محلی، مولانا بدر عالم میر ٹھی، مولانا عبد الشکور مہاجر مدنی، حکیم عبد الوہاب نابینا انصاری اور شفاء الملک حکیم عبد الحلیم لکھنوی جیسی تاریخ ساز شخصیات کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا اعزاز حاصل رہا۔ ان عظیم شخصیات کی تعلیم و تربیت، خداداد صلاحیتوں اور شبانہ روز کاوشوں کے سبب وہ ظاہری و باطنی علوم میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔

حضرت فریدِ ملتؒ کے علمی مقام کا اندازہ ان کے حلقۂ احباب کے علمی مقام و مرتبہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اپنے وقت کی علمی و فکری شخصیات اور اکابر مشائخ کے ساتھ آپ کی علمی و فکری نشستیں رہتی تھیں۔ ان شخصیات میں؛ حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالویؒ، حضرت خواجہ فخر الدین سیالویؒ، غزالیِ زماں حضرت سید احمد سعید کاظمیؒ، علامہ قطب الدینؒ، مولانا عبد الغفور ہزارویؒ، صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ آلو مہار شریفؒ، مولانا محمد عمر اچھرویؒ، مولانا عبد الرشید رضویؒ، مولانا عبد الستار خان نیازیؒ، خواجہ فخر الدین سیالویؒ، مولانا احمد بخش ضیائیؒ شامل ہیں۔

یہ اُس دور کے اکابر علماء تھے جن کے ساتھ حضرت فریدِ ملتؒ ہر وقت ہم مجلس رہتے۔ بعد کے زمانے کے اکابر علماء اور نمایاں شخصیات بھی اکثر اَوقات حضرت فریدِ ملتؒ کے پاس حصولِ علم و عرفان کے لیے حاضر ہوتیں اور مختلف علمی موضوعات پر نشستیں منعقد ہوتیں۔ حضرت فریدِ ملتؒ اُن نابغۂ روزگار شخصیات کے ساتھ مختلف محافل میں شرکت فرماتے اور ان عظیم ہستیوں کی موجودگی میں اپنے جانفزا خطبات سے لوگوں کے دلوں میں معرفتِ الٰہی اور عشقِ

رسول ﷺ کی روشنی اور تجلیوں کو پھیلاتے۔ آپؒ کا مقصدِ حیات ان دلوں میں عشقِ رسول ﷺ کی شمع روشن کرکے انھیں نئے روحانی سفر پر گامزن کرنا تھا جو دنیا کی فانی لذتوں میں غرق اور گمراہیوں میں بھک گئے تھے۔

حضرت فریدِ ملتؒ نے وقت کے مشاہیر صوفیاء سے استفادہ کیا اور اپنی روحانیت میں مزید اضافہ کیا۔ آپؒ کو اللہ تعالیٰ نے علمِ ظاہری میں ایسا درجہ کمال عطا فرمایا تھا کہ شیخ الاسلام خواجہ محمد قمرالدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے ولی کامل اور عالم ربانی بھی ان کا تبحرِ علمی بڑی عقیدت اور شوق سے سنتے اور ان کی علمی عظمت کو خراج تحسین پیش کرتے تھے۔

علم شریعت میں مہارت کے ساتھ ساتھ، حضرت فریدِ ملتؒ علمِ باطن اور مشاہدے کی نعمت سے بھی مالا مال تھے، جس سے ان کی شخصیت اور بھی جامع و ہمہ گیر بن گئی تھی۔ اولیاء اللہ ہمیشہ چشمۂ نبوت سے فیضیاب ہوتے ہیں، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے دل و دماغ میں دو اہم جہتیں روشن ہوتی ہیں:

ا۔ روحانی واردات و احوال جو ایمان و ایقان میں پختگی لاتے ہیں۔

۲۔ اعلیٰ اخلاقی اوصاف، جو انسانیت کو تکمیل کی جانب لے جاتے ہیں۔

یہ دونوں فیوضات وہ خوش نصیب افراد حاصل کرتے ہیں جو اپنی ذات کو ذاتِ مصطفیٰ ﷺ میں گم کر دیتے ہیں، اور انہیں ایسی کامل اتباع نصیب ہوتی ہے جس کا سرچشمہ عشقِ رسول ﷺ ہوتا ہے۔ یہی عشقِ رسول ﷺ ہے جو ایک مومن کو ہر قدم پر قوت اور حوصلہ دیتا ہے اور دین کا ہر تقاضا اس پر گراں نہیں گزرتا۔

رضاءِ الٰہی کے حصول کے لیے نالہ و فغاں اور گریہ و زاری کرنا اور درود پاک کا باقاعدگی سے وِرد کرنا اور قصیدہ بردہ شریف کے مکمل 160 اَشعار ہر رات تہجد کے بعد مدینہ شریف کی طرف منہ کرکے پڑھنا آپ کا جوانی سے ہی معمول تھا۔ حضرت فرید ملتؒ میں عشقِ رسول اور نسبتِ رسول کی پختگی کمال درجے کی تھی۔ اِسی طرح حضور غوث الاعظم کے ساتھ نسبت و پختگی بھی کمال درجہ پر تھی۔ ہر رات بلاناغہ تہجد کے بعد اَوراد و وظائف میں قصیدہ بردہ شریف کے ساتھ دیگر اَذکار کے علاوہ قصیدہ غوثیہ اور حزب البحر بھی پڑھتے۔ اِسی طرح دیگر اَولیاء کرام سے بہت گہرا روحانی تعلق اور پختہ ربط بھی آپ کو حاصل تھا، اس کا اظہار ان کی زندگی کے مختلف مراحل پر ہوتا رہتا تھا۔

کشتۂ عشقِ رسول ﷺ

حضرت فریدِ ملتؒ کا خمیر بھی عشقِ رسول ﷺ سے اٹھایا گیا تھا۔ یہ عشق ہی وہ سرچشمہ تھا جس سے اعلیٰ اخلاق اور اوصافِ حمیدہ کی جڑیں پھوٹتی ہیں۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری فرماتے ہیں کہ حضرت فریدالدین قادریؒ کو رسالتِ مآب ﷺ سے ایسا والہانہ عشق تھا کہ وہ ہمیشہ ماہی بے آب کی طرح تڑپتے رہتے۔ جب بھی آپ ﷺ کا اسم گرامی سنتے، آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں۔ آپ کی زبان ہمیشہ محبوبِ خدا کے ذکر سے تر رہتی اور درود و سلام آپ کا روزانہ کا وظیفہ تھا۔

حضرت فرید ملتؒ کی شخصیت میں سب سے نمایاں خصوصیت آپ کا عشقِ رسول ﷺ تھا۔ آپ نے ہمیشہ اپنی زندگی کو حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق ڈھالا اور اپنے تمام افعال میں آپ ﷺ کی محبت اور اتباع کو اپنے لیے نصب العین بنایا۔ اسی عشق رسول ﷺ کے جذبہ نے آپ کی زندگی کو سنوارا اور آپ کے وجود کو نئے معنی بخشے۔ آپ کا قلبِ مبارک اُمتِ مسلمہ کی حالتِ زار کو محسوس کرتا تھا اور ان کے دکھوں کا مداوا کرنے کے لیے آپ ہمہ وقت فکر مند رہتے تھے۔ آپ کا دل امت کی فلاح اور عروج کی آرزو میں تڑپتا تھا۔ یہی وہ درد تھا جس نے آپ کو بے چین کر رکھا تھا اور جس کے غم میں آپ کا دل ہمیشہ بے قرار رہتا تھا۔ آپ کا یہ درد، عشقِ رسول ﷺ کا عکاس تھا۔ آپ کا ایمان اس قدر پختہ تھا کہ آپ نے اس درد کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا تھا۔

علمِ طب اور اردو ادب میں مہارتِ تامہ

☆ پیشہ ورانہ اعتبار سے، ڈاکٹر فریدالدین قادریؒ ایک ماہر طبیب کے طور پر جانی پہچانی شخصیت تھے۔ ان کی طب میں مہارت اور بلند مقام ایک مسلّمہ حقیقت تھی۔ طب کے میدان میں ان کی تصنیفات نے انہیں علمی دنیا میں ایک منفرد مقام دیا۔ ان کی مشہور تصنیفات میں شفاء الناس، بیاضِ فریدی، زبدۃ التجربات، تفرید الفرید شامل ہیں۔

☆ حضرت فریدِ ملتؒ کا اردو ادب کے ساتھ بھی گہرا تعلق تھا۔ انہوں نے لکھنؤ کی ادبی محافل سے فیض حاصل کیا اور لکھنو میں اپنے وقت کے عظیم شعراء کے ساتھ مشاعروں میں اپنا رنگ جمایا۔ ان کی شاعری کا انداز بے مثال اور دلکش تھا۔ آپ نے شاعری کے ساتھ ساتھ نثر میں بھی اہم کارنامے سرانجام دیے ہیں۔ ان کی نثری تحریریں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ وہ محض ایک طبیب اور عالم نہیں، بلکہ ایک قابلِ فخر ادیب بھی تھے۔

خاص طور پر انہوں نے اپنے ایران، عراق، شام اور سعودی عرب کے زیارتی اسفار کو خوبصورتی سے قلمبند کیا۔ ان سفرناموں میں انہوں نے ان مقدس مقامات کی زیارات کو دل کی گہرائیوں سے بیان کیا، جس میں ہر ورق، ہر سطر اور ہر لفظ ایک گہری جذباتی شدت اور سرشاری کی عکاسی کرتا ہے۔ اس سے ان کے روحانی تجربات اور ذاتی کیفیت اجاگر ہوتی ہیں۔ ان کے سفرناموں میں زیارت کے وہ لمحے روشن نگینوں کی طرح چمکتے ہیں، جو قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔

تحریکِ پاکستان کے عظیم مجاہد

حضرت فریدِ ملتؒ نے بانیِ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح کی ولولہ انگیز قیادت میں قیامِ پاکستان کی تاریخ ساز جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا۔ آپ زمانۂ طالب علمی میں تحریکِ قیامِ پاکستان کے لیے سرگرمِ عمل رہے اور قیامِ پاکستان کی حامی طلبہ تنظیموں کے پروگراموں میں بھی جوش و جذبہ سے حصہ لیتے رہے۔ قیامِ پاکستان کے فوری بعد بھی آپ نے دوسرے مسلمان رضاکاروں کے ساتھ مل کر مہاجرین کی مدد کے لیے اپنی توانائیاں صرف کیں۔ آپ اُن طبّی ماہرین میں شامل تھے جو مہاجرین کا علاج معالجہ یکسوئی اور دِل جمعی سے کرتے رہے۔ تحریکِ پاکستان اور تعمیرِ پاکستان کی اِنہی فقید المثال خدمات کے اِعتراف میں نظریہ پاکستان ٹرسٹ نے ریاست پاکستان کی جانب سے حضرت فریدِ ملتؒ کے وِصال کے 48 سال بعد 3 فروری 2021ء کو اُنہیں گولڈ میڈل اور تعریفی سرٹیفکیٹ دیا۔

حضرت فریدِ ملتؒ اور شیخ الاسلام

اللہ تعالیٰ نے آپ کو قلب کی غنا کے ساتھ ساتھ درد و دلسوزی کی بے مثال دولت سے بھی نوازا تھا۔ وہ درد کون سا تھا جس نے آپ کی سکون و اطمینان کی کیفیت کو درہم برہم کر دیا تھا۔۔۔؟ وہ غم کس بات کا تھا جس نے آپ کے باطنی سکون کو تہہ و بالا کررکھا تھا۔۔۔؟ یہ درد دراصل امتِ مسلمہ کی محرومیت اور ذلت اور پستی کا درد تھا۔ آپ کو امت کی کم ہمتی کا دکھ تھا، جو آپ کے دل میں ایک گہرا سانحہ بن کر مسلسل غم و اندوہ کی صورت میں ڈھل رہا تھا۔ رسالت مآب ﷺ سے آپ کا بے پایاں عشق کا تقاضا تھا کہ آپ امتِ محمدیہ ﷺ کے دکھوں کو اپنے دل میں محسوس کریں اور ان کی حالتِ زار کا مداوا کرنے کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں وقف کریں۔

چنانچہ آپ کی زبان ہمیشہ ذکر میں مشغول رہتی، مگر آپ کا دل امت کی عظمتِ رفتہ اور سربلندی کی بازیابی کے لیے بے چین و مضطرب تھا۔

آپ نے حرمِ کعبہ میں حاضر ہو کر ملتزم کے مقام پر غلافِ کعبہ کو تھاما اور اللہ تعالیٰ سے اپنی دعاؤں کے ذریعے یہ درخواست کی کہ وہ امتِ مسلمہ کے لیے ایک ایسا رہبر و قائد عطا فرمائے، جو ان کے دکھوں کا مداوا کرے اور ان کی گمشدہ عظمت کو پھر سے بحال کرے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی امت سے محبت، درد مندی اور اخلاص کی وہ دعائیں جو آپ نے بارگاہِ الٰہی میں کیں، بالآخر اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوئیں۔اس قبولیت کی بشارت کے ساتھ آپ کا دل امید کی ایک کرن سے روشن ہو گیا، جس نے آپ کی دعاؤں اور عملی جدوجہد کو ایک نئی جہت اور نئی طاقت عطا کی۔

بارگاہِ ربوبیت میں دل کی گہرائیوں سے مانگی گئی دعا اللہ تعالیٰ کی لامتناہی رحمت اور بارگاہِ رسالت ﷺ کے وسیلہ سے قبولیت کی معراج کو پہنچی اور بشارت موصول ہوئی۔اس بشارت کا نتیجہ وہ عظیم شخصیت تھی جس کا نام محمد طاہر تجویز کیا گیا۔حضرت فریدالدین قادریؒ نے اپنی زندگی کے ہر لمحے کو اس خواب کی حقیقت بنانے کے لیے وقف کر دیا۔آپ امتِ مسلمہ کو ایک جاندار قیادت فراہم کرنے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لائے۔آپ نے اپنے علم، معرفت، روحانیت اور اپنے باطنی جذب وکیف اور سوزودرد کی سوغات اپنے فرزندِ ارجمند شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کو ان کے بچپن ہی سے منتقل کی اور ان کی اس طرح تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا کہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے عشق و محبت، دین اسلام کی لگن اور روحانی اعمال کے ساتھ قلبی لگاؤ بچپن ہی سے ان کے شعور میں راسخ کر دیا۔ان کی دینی اور عصری تعلیم پر خصوصی توجہ دی تاکہ وہ نہ صرف مستقبل میں پیش آمدہ چیلنجز سے عہدہ برآ ہو سکیں بلکہ عقلی و نقلی دلائل سے اسلام کی حقانیت کے علم کو چہار دانگِ عالم میں لہرا سکیں۔

اوصافِ جمیلہ

عشقِ رسالت مآب ﷺ اور نسبتِ مصطفوی کا جو اعجاز تھا، اس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے حضرت فریدِ ملتؒ کو بے شمار اخلاقی اوصافِ جمیلہ سے مزین کیا۔صدق و اخلاص، تسلیم و رضا، فقر و قناعت، زہد و ورع، صبر و استقامت اور عبادت و ریاضت

میں آپ سلف صالحین کا کامل نمونہ تھے۔ آپ کی سیرت ایک ایسی زندہ کتاب تھی جس میں اعلیٰ ترین اخلاقی خصوصیات جھلکتی نظر آتی۔

حضرت فریدِ ملتؒ کی خلوت اور جلوت پاکیزگی کی کیفیات کے ساتھ ہمیشہ یکساں رہتیں۔ آپ حسنِ اَخلاق، طبیعت میں پاکیزگی اور عاجزی واِنکساری کا پیکر تھے۔ آپ نے عمر بھر کسی عالم، محقق یا شیخِ طریقت یا عامۃ الناس کے بارے میں کبھی تنقیص اور تنقید کا کوئی اظہار نہ فرمایا۔ یہ آپ کی شخصیت میں موجود حیا کا ایک خوبصورت اظہار تھا۔ حضرت فریدِ ملتؒ کبھی کسی کے لیے تنگ دل نہیں تھے بلکہ وسیع الظرف تھے۔ سوئے ظن، حسد اور اس طرح کے رذائل سے پاک تھے۔ طبیعت متواضع تھی، سراپا عجز واِنکسار اور حد درجہ ملنسار تھے۔ فیاضی و سخاوت، ہر انسان کے ساتھ شفقت، ہمدردی، معاونت، راہ نُمائی اور خیر خواہی کا جذبہ بدرجہ اتم آپ کے اندر موجزن تھا۔ الغرض یہ کہا جا سکتا ہے کہ صوفیا کرام جن خصائص واَوصاف، علامات واَقدار اور محاسن وخصائل کے حامل ہوتے ہیں، حضرت فریدِ ملتؒ ان تمام اوصاف سے متصف تھے۔

2 نومبر 1974ء (بمطابق ۱۶ شوال ۱۳۹۴ھ) بروز ہفتہ جھنگ میں یہ آفتابِ علم و حکمت غروب ہوا، مگر اس کی روشنی آج بھی حق کے افق پر چمک رہی ہے۔ وہ لوگ جو اندھیروں میں حق کی روشنی کی طرف راہنمائی کرتے ہیں، ہمیشہ کے لیے نور بن جاتے ہیں اور یہ نور کبھی بھی ماند نہیں پڑتا اور نہ وقت کے سخت ترین طوفانوں سے متاثر ہوتا ہے اور نہ ہی موت اسے مٹا سکتی ہے۔

آج حضرت فریدِ ملتؒ کا فیض شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی صورت میں دنیا بھر میں علم و حکمت کے اجالے پھیلا رہا ہے اور منہاج القرآن کے ذریعے حق کی تلاش میں سرگرداں انسانوں کی رہنمائی کر رہا ہے۔

”عشقِ الٰہی اور لذتِ توحید“

شہرِ اعتکاف 2025ء کے روح پرور لمحات

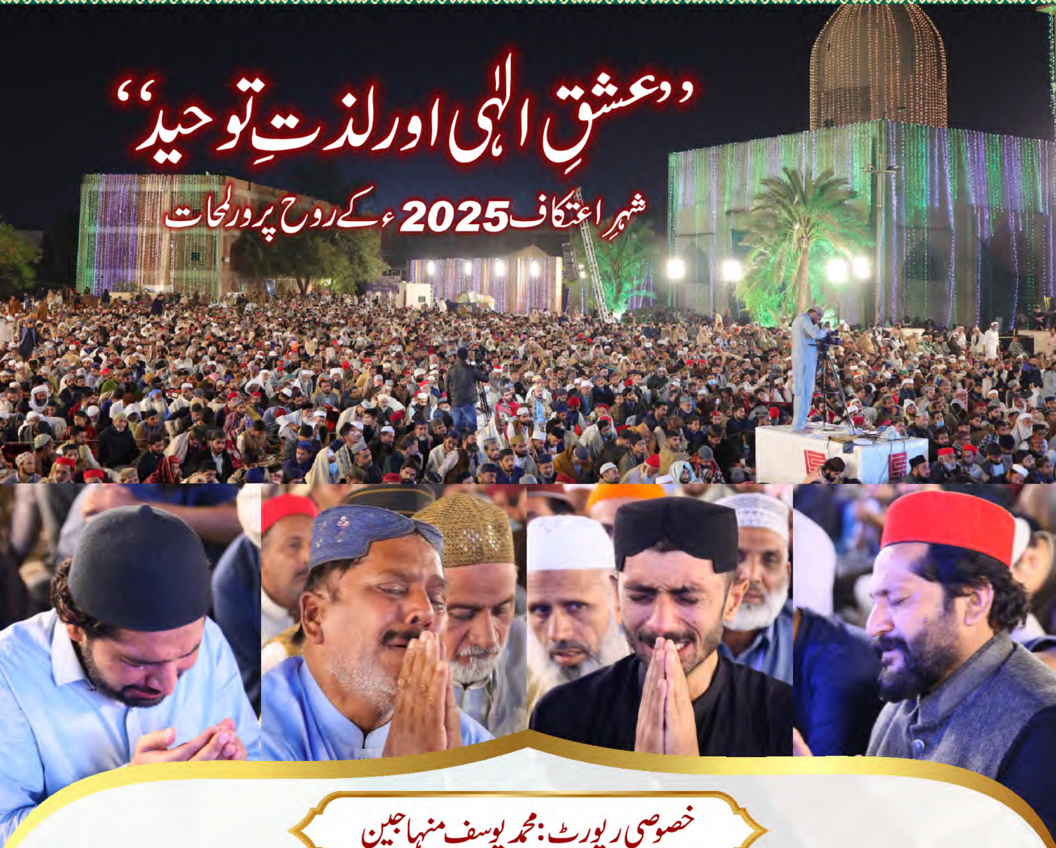

خصوصی رپورٹ: محمد یوسف منہاجین

تحریک منہاج القرآن کے زیراہتمام حرمین شریفین کے بعد دنیائے اسلام کا سب سے بڑا 32واں سالانہ شہر اعتکاف امسال بھی جامع المنہاج بغداد ٹاؤن لاہور میں منعقد ہوا۔ ملک کے طول و عرض اور دنیا بھر سے ہزاروں خواتین و حضرات توبہ، اصلاحِ احوال اور آنسوؤں کی بستی شہر اعتکاف میں 10 دن کیلئے گوشہ نشین ہوئے۔ اس شہرِ اعتکاف میں پنجاب، خیبر پختون خواہ، بلوچستان، سندھ، آزاد کشمیر، گلگت بلتستان سمیت امریکہ، برطانیہ، یورپ اور ایشین ممالک سے بھی مرد و خواتین اعتکاف کے لیے تشریف لائے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی قیادت میں شہرِ اعتکاف ایک ایسا روحانی مرکز بن چکا ہے جہاں معتکفین ذکر و فکر، علم و حکمت، اور روحانی تربیت کے نور سے منور ہوتے ہیں۔ یہ عظیم الشان اجتماع بندگانِ الٰہی کے قلوب کو خشیت، محبتِ الٰہی، اور اتباعِ سنت کی روشنی عطا کرتا ہے۔ یہ اعتکاف اصلاحِ احوال اور تطہیرِ باطن کے لیے تربیت کا مفید اور مؤثر ذریعہ ہے۔ شیخ الاسلام کی علمی، فکری اور روحانی رہنمائی اور چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری اور صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل محترم پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کی نگرانی میں منعقدہ یہ اعتکاف صرف عبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ تزکیۂ نفس، اصلاحِ احوال اور عملی تربیت کی ایک

منظم اور بابرکت کاوش ہے۔ یہاں دین کی سربلندی اور عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے چراغ روشن کیے جاتے ہیں، تاکہ شرکائے اعتکاف اپنی زندگیوں کو قرآن و سنت کی روشنی میں سنوار سکیں۔

ہمیشہ کی طرح امسال بھی یہ شہرِ اعتکاف ایک فقید المثال منظر پیش کر رہا تھا۔ روحوں کی پیاس اور دلوں کی تشنگی کو مٹانے کے لئے ہزاروں مسلمان جامع المنہاج بغداد ٹاؤن میں جمع تھے۔ ہر طرف ایک روحانی اور نورانی ماحول تھا۔ شہر اعتکاف کا ہر گوشہ عبادت، ذکر اذکار اور دعاؤں سے مزین تھا۔ معتکفین دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر اللہ کی یاد میں گم تھے۔ یہاں کی راتیں اور دن مکمل طور پر عبادت اور علم و فکر سے آباد تھیں۔ ذکر و اذکار کی گونج میں ہر فرد کے دل کا رشتہ اللہ کے ساتھ مضبوط ہوتا محسوس ہوتا۔ قرآن کی تلاوت کی مسحور کن آواز، انفرادی اور اجتماعی دعائیں اور ذکر کی محافل میں ہر دل گویا ایک سکون کی لذت محسوس کرتا۔ وقت کے گزرنے کا احساس بھی مٹ چکا تھا اور دل کی گہرائیوں میں ایک عجیب سی راحت کی لہر دوڑ رہی تھی۔ ہر گوشے میں ایک الگ منظر تھا۔ ایک طرف نوجوان علم، روحانیت اور معرفت کے حصول کے لیے بے تاب تھے تو دوسری طرف بوڑھے بزرگ اللہ کی رضا کے طلبگار دکھائی دیتے تھے۔ ہر ایک اپنی عبادات میں اس قدر محو تھا کہ ان کی نظریں صرف اپنے رب کے حضور تھیں۔ کوئی قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا تو کوئی اشکوں کے ساتھ اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہا تھا۔ یہ شہر اعتکاف ایک ایسا مقام تھا جہاں دنیا کی ہر فکر سے آزاد ہو کر انسان اپنے خالق کی رضا کی جستجو میں محو تھا۔ یہ ایک ایسا انوکھا تجربہ تھا جسے بیان کرنا لفظوں سے ممکن نہیں۔ اس روحانی ماحول میں انسان اپنے آپ کو نیا محسوس کرتا، گویا وہ اپنا مقصدِ حیات دریافت کرنے میں کامیاب ہو گیا ہو۔ یہ شہر صرف ایک مخصوص جگہ پر 10 دن کے قیام تک مختص نہ تھا، بلکہ یہ ایک ایسا روحانی سفر تھا جس میں شرکت کرنے والے ہر شخص کے دل میں ایک نئی روشنی اور سکون کا پیغام تھا۔

اس شہرِ اعتکاف میں امسال شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ”عشقِ الٰہی اور لذتِ توحید“ کے موضوع پر 9 خطابات ارشاد فرمائے۔ ان خطابات میں سے ہر ایک خطاب اپنے اندر، علم، فکر، روحانیت، معرفت اور محبت و عشق کے بیش بہا خزانوں کو سموئے ہوئے تھا۔ چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے ”سیرتِ انبیاء اور شخصیت سازی کے اصول“ جبکہ صدر منہاج القرآن محترم پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے ”آدابِ زندگی“ کے موضوع پر اپنے خطابات کے ذریعے معتکفین کی علمی و روحانی سیرابی کا اہتمام کیا۔ ذیل میں اس اعتکاف کی ایک اجمالی رپورٹ نذرِ قارئین ہے:

محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کے استقبالیہ کلمات

منہاج القرآن انٹرنیشنل کی سپریم کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، ناظم اعلیٰ محترم خرم نواز گنڈاپور، جملہ نائب ناظمینِ اعلیٰ اور مرکزی قائدین نے معتکفین کو خوش آمدید کہا۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے نماز مغرب کے بعد معتکفین کو خوش آمدید کہتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کا تشریف لانا اور شہرِ اعتکاف کی رونق بننا قبول فرمائے۔ ہم اللہ رب العزت کا جتنا بھی شکر ادا کریں، وہ کم ہے کہ اس نے اپنے فضل، رحمت، عنایت اور آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نعلین پاک کے تصدق سے ہمیں اس سال بھی اس شہرِ اعتکاف کا اہتمام کرنے اور اس میں حاضری کی توفیق بخشی۔ میں تحریک منہاج القرآن کی پوری انتظامیہ کی طرف سے حضور قدوۃ الاولیاء سیدنا طاہر علاؤالدین القادری الگیلانی البغدادی رضی اللہ عنہ کے زیرسایہ اور شیخ الاسلام کی تربیت اور ارشادات کی روشنی سے منور اس شہرِ اعتکاف میں جملہ معتکفین کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت آپ کا یہ دس دن کا قیام باعثِ برکت، باعثِ رحمت، باعثِ عنایت، باعثِ لطف اور باعثِ کرم بنائے۔ اللہ رب العزت ہمیشہ آپ کو اپنی رحمت کی آغوش میں رکھے اور جس مقصد اور عہد کو لے کر آپ آئے ہیں، اس عشقِ الٰہی کی خوراک اور محبتِ الٰہی کی شراب سے سیراب ہو کر جائیں۔

اعتکاف کی صورت میں آپ خواتین و حضرات جس سفر پر آئے ہیں، یہ سفرِ تعبد بھی ہے اور سفرِ تقرب بھی ہے۔ جب اللہ کے عبادت گزار بندے بن جائیں گے تو قربت کا راستہ بھی وہیں سے ملتا ہے۔ شیخ الاسلام اس اعتکاف میں جس وادی عشق کا سفر شروع کروائیں گے، اس کے سائل بن کر ایسے ذوق اور شوق کے ساتھ اس عشق و مستی کی وادی میں گم ہو جائیں کہ دنیا ومافیھا کی فکر نہ رہے۔ اللہ کے مہمان بن کر آئے ہیں تو توجہ اس کی توحید اور اس کے عشق کی طرف رکھیں۔ توجہ؛ قربتِ الٰہی، زہد، تقویٰ اور طہارت کی طرف رکھیں ۔ اس کا مہمان بن کر رہیں اور اس کے ہو کر رہیں۔ اس شہرِ اعتکاف کو اپنے گناہوں سے نجات کا ذریعہ بنا لیں یہاں تک کہ جب یہاں سے جائیں تو دوزخ سے نجات کا پروانہ ہر ایک کے پاس ہو۔ طالب اور سائل بن کر اللہ کے حضور پیش ہو جائیں تاکہ یہ دن ایسے گزریں کہ گناہوں سے بھی نجات حاصل ہو جائے اور اللہ والوں کی اس بستی سے وہ سفر شروع ہو جائے جو عشق و محبت الٰہی اور محبتِ مصطفی ﷺ تک لے جائے۔

شہر اعتکاف کے روحانی و علمی معمولات

۱۔ شہر اعتکاف کی فضا میں انفرادی ذکر و اذکار، نوافل اور مناجات کے معمولات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تعلق کی پختگی کے آئینہ دار تھے۔ ہر لب پر ذکرِ الٰہی، درود و سلام اور دعاؤں کے پھول مہک رہے تھے، جن کے ذریعے دلوں کی صفائی کے ساتھ ساتھ روحوں میں عشقِ رسول ﷺ کی لذت بھی پیدا ہوتی۔ ہر معتکف کی آنکھوں میں آنسو رواں تھے اور دلوں میں سکون کی ایک عجب کیفیت طاری تھی۔

۲۔ تحریک منہاج القرآن کے زیر اہتمام اس شہر اعتکاف میں فقط عبادتِ الٰہی کا رنگ نہ تھا بلکہ علم و عمل کا ایک ایسا حسین امتزاج تھا جو دلوں کو چمکاتا اور ذہنوں کو منور کر رہا تھا۔ علمی و روحانی حلقاتِ تربیت نے اس شہر کو ایک نئی روحانی فضا سے معطر کر رکھا تھا۔ ہر سیشن میں منہاج القرآن علماء کرام اور سکالرز اہلِ ایمان کے دلوں میں علم و حکمت کی لذت کو اجاگر کر رہے تھے۔ شہر اعتکاف کی یہ مبارک فضا، جہاں دلوں کی گہرائیوں میں سکون اور طمانیت کا پیغام تھا، وہاں مختلف روحانی و علمی معمولات نے ایک انوکھا سحر طاری کر رکھا تھا۔ ہر گوشہ، ہر محفل اور ہر مجلس گویا دل کے نہاں گوشوں سے نکلنے والی صداؤں اور روح کی تڑپ کی عکاس تھی۔ یہ شہر نہ صرف عبادت کا مرکز تھا بلکہ علم و عمل کا حسین سنگم

بھی تھا۔ پاکستان بھر میں منہاج القرآن کے زیرِ اہتمام قائم کئے جانے والے مراکزِ علم کے وہ معلمین جو شہرِ اعتکاف میں تشریف لائے، ان معلمین کے لیے تربیتی نشستوں کا انعقاد کیا گیا۔ نظامتِ دعوت، نظامت تربیت اور نظامتِ ایجوکیشن اینڈ پروفیشنل ڈویلپمنٹ (EPD) کے ناظمین نے ان معلمین کو شہر اعتکاف میں منعقدہ حلقہ جات کے انعقاد کے طریقہ کار اور تربیتی نصاب کی تدریس کے طریقہ پر بریفنگ دی۔ بعدازاں ان معلمین نے حلقاتِ تربیت میں ملک بھر سے آئے معتکفین کی تربیتی نشست میں تدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔ معتکفین کے لئے منعقدہ ان تربیتی وتدریسی حلقہ جات میں قرآنیات، فقہ، تجوید و قرآت کے موضوعات پر لیکچرز دیئے گئے۔ یہ حلقات گویا دلوں کی درستی اور روحوں کی تربیت کے لیے ایک خاص محفل تھے۔ ہر گوشہ اور ہر کونے میں ایک الگ روحانی جاذبیت تھی، جہاں علم و عمل کا ایسا امتزاج تھا جو دلوں میں اللہ کی محبت کی شمع روشن کر دیتا۔ ان تربیتی حلقوں میں منہاج القرآن کے سکالرز نے علم کے موتیوں سے دلوں کی اصلاح کی اور ذہنوں کو صحیح راستے کی طرف راہنمائی فراہم کی۔

۳۔ یہ شہرِ اعتکاف علم کا ایک مرکز تھا، اور فقہی مجالس اس علم کا جیتا جاگتا عکس تھیں۔ جہاں مسائلِ فقہ کی وضاحت کی جاتی اور ہر سوال کا جواب بڑی عقلی اور روحانی گہرائی سے دیا جاتا۔ ان مجالس کے ذریعے معتکفین علم الفقہ کی روشنی میں اپنے روزمرہ کے معاملات کو بہتری کی طرف گامزن کرنے کے لیے رہنمائی لیتے۔ محترم مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی اور کالج آف شریعہ اینڈ اسلامک سائنسز کے اساتذہ کرام نے ان فقہی مجالس میں عبادات و معاملات کے حوالے سے معتکفین کو پیش آمدہ مسائل کے جوابات قرآن وسنت کی روشنی میں دیئے۔

۴۔ شہرِ اعتکاف میں طلبہ کے لیے مصطفوی سٹوڈنٹس موومنٹ کے زیرِ انتظام ’’التربیۃ‘‘ کے عنوان سے خصوصی مجالس کا اہتمام کیا گیا تھا، جن کا مقصد طلبہ کی علمی اور روحانی تربیت تھا۔ ان مجالس میں جہاں طلبہ کو علم کی بنیاد فراہم کی جاتی، وہیں ان کے دلوں کو تقویٰ اور ایمان کی حقیقت سے بھی آشنا کیا جاتا۔ ہر مجلس طلبہ کے ذہنوں کو ایک نئی روشنی دیتی اور ان کے دلوں میں اللہ کے ساتھ تعلق کی گہرائیوں کا شعور پیدا کرتی۔ تحریک منہاج القرآن کے ناظمِ اعلیٰ، نائب ناظمین اعلیٰ اور MSM کے مرکزی قائدین نے طلبہ کو مختلف علمی، فکری اور روحانی موضوعات پر تربیتی لیکچرز دیے۔

۵۔ منہاج القرآن یوتھ لیگ کے زیرِ انتظام شہرِ اعتکاف میں شریک نوجوانوں کے لیے الگ سے تربیتی مجالس کا اہتمام کیا گیا تھا، جہاں انھیں علم و معرفت کے نئے گوشوں سے متعارف کروایا گیا۔ مرکزی قائدین تحریک اور یوتھ لیگ کی مرکزی قیادت نے ان مجالس میں مختلف علمی و فکری موضوعات پر گفتگو کرتے ہوئے نوجوانوں کی زندگیوں کو نیا رخ عطا کیا۔ نوجوانوں کو دین کی اصل حقیقت سے آگاہ کیا گیا اور ان کے دلوں میں ایمان کی تڑپ اور عمل کی لگن پیدا کی گئی، تاکہ وہ اپنی زندگیوں کو ایک نئی روشنی سے منور کر سکیں۔

۶۔ اس روحانی فضا میں جہاں ہر طرف انفرادی معمولات بھی محبت و شوق سے جاری تھے وہاں قرآن مجید کی پرسوز آواز میں تلاوت نے ہر گوشے کو ایک خاص روحانی لذت سے بھر دیا۔ ہر شب بعد از نمازِ تراویح منعقد ہونے والی محافلِ قرأت و نعت گویا قلوب کی تطہیر کا ذریعہ بن رہی تھیں۔ ایک ایک آیت کی تلاوت دلوں میں ایمان کی تازگی کی لہر دوڑاتی اور ہر ایک کا دل اللہ کے کلام کی سماعت میں ڈوب جاتا۔ ان محافل میں ملک کے نامور قراء اور ثناخوانانِ مصطفی ﷺ نے خصوصی شرکت کی۔

شہرِ اعتکاف کی تیسری اور چوتھی شب کی محافل میں ایران سے خصوصی طور پر تشریف لائے ہوئے محفل ٹی وی کے معروف قراء نے تلاوتِ کلامِ رحمن سے سماں باندھ دیا۔ اس تقریب میں استاذ القراء محترم قاری احمد ابوالقاسمی، محترم قاری محمد امین نبی لو، محترم قاری ابوالفضل نبی لو اور منہاج انسٹی ٹیوٹ برائے قرأت و تحفیظ القرآن کے طلبہ نے خوبصورت انداز میں تلاوتِ قرآن پیش کی اور شرکاء کے قلوب و اذہان کو منور کیا۔

شہرِ اعتکاف کی چھٹی شب کی محفل میں ڈائریکٹر جنرل خانہ فرہنگ اسلامی جمہوریہ ایران لاہور محترم ڈاکٹر اصغر مسعودی کی قیادت میں ایرانی قراء کرام محترم قاری محمود متولی، محترم قاری سید محسن حسینی، محترم قاری عبدالوحید جعفر زادہ، محترم قاری خان صاحب بہنام اور محترم قاری زین العابدین مظفری نے خوبصورت انداز میں تلاوت قرآن حکیم کی سعادت حاصل کی۔ ڈائریکٹر انٹر فیتھ ریلیشنز منہاج القرآن محترم سہیل احمد رضا نے کلماتِ استقبالیہ پیش کیے۔ محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری اور محترم پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے معزز مہمانوں کو یادگاری شیلڈز پیش کیں۔

شہرِ اعتکاف میں منعقدہ ان محافل نعت میں ثناخوانانِ مصطفی نے عربی زبان میں بھی نعت اور اہلِ بیت اطہار کی بارگاہ میں محبت بھرے کلام پیش کیے۔ شیخ الاسلام کی خواہش پر ایرانی قراء نے بھی عربی نشید کو خوبصورت انداز میں پیش کر کے شہرِ اعتکاف پر ایک عجب روحانی ماحول طاری کر دیا۔ اس موقع پر شیخ الاسلام خود بھی عربی نشید کے کلمات کو اپنی محبت و سوز سے معمور آواز کے ساتھ پڑھتے رہے۔ ان تمام محافلِ قرأت و نعت میں نقابت کے فرائض محترم صفدر علی محسن، محترم صاحبزادہ تسلیم احمد صابری، نظامتِ تربیت اور نظامتِ ایجوکیشن اینڈ پروفیشنل ڈویلپمنٹ کے سکالرز نے سرانجام دیئے۔

شہر اعتکاف میں یہ روحانی و علمی معمولات ایک منفرد نوعیت کے تھے، جو دلوں میں عشقِ الٰہی اور لذتِ توحید کے جذبات کو بیدار کرتے تھے۔ یہاں کی ہر مجلس، ہر محفل اور ہر سیشن گویا دلوں کی پاکیزگی کا ذریعہ تھا، جہاں ہر فرد کو اپنے رب کی رضا کی جستجو میں نئے افق تک پہنچنے کا راستہ دکھایا جاتا تھا۔

چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کے خطابات

چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کے خطابات شہر اعتکاف کی ایک اور اہم ترین خصوصیت تھے۔ ''سیرتِ انبیاء اور شخصیت سازی کے اصول'' کے موضوع پر ان کے تربیتی خطابات نے سامعین کی زندگیوں میں ایک نیا روحانی انقلاب برپا کیا۔ محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے ان خطابات میں معتکفین کو اس امر کی طرف متوجہ کیا کہ

اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کے ذکر سے لوگوں کی تربیت اور تزکیۂ نفس کے لیے نصیحتیں فرماتا ہے۔ انبیاء کی سیرت بیان کرنا سنتِ مصطفی ﷺ بھی ہے اور سنتِ خدا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُمتِ مسلمہ کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس کو اسوہ بنا کر بھیجا۔ ان تذکروں سے اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ میرے انبیاء کا بار بار ذکر ہو اور لوگ اُن کے زہد و تقویٰ، صبر و قناعت اور توحیدِ ربانی کے بیان سے نصیحت حاصل کریں کیونکہ یہی وہ کامیاب اور انعام یافتہ بندے ہیں جن کے راستے پر چل کر دنیوی و اُخری کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں۔ جب کفار و مشرکین آپ ﷺ کو تکالیف دے رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تالیفِ قلب کے لیے سابقہ انبیاء کرام کی تکلیفوں کے بارے میں آگاہ فرمایا۔ کبھی حضرت یونس علیہ السلام کے مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی تکلیف کا ذکر، کبھی حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کا ذکر اور کبھی حضرت یوسف علیہ السلام کی اسیری کا تذکرہ بیان کیا، کبھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آتشِ نمرود کا واقعہ بیان کیا، کبھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیش آنے والے مصائب کے بارے میں اور کبھی حضرت موسیٰؑ کی استقامت اور فرعون کے

مظالم کا تفصیل سے تذکرہ کیا۔ ان تذکروں کا بنیادی مقصد اس بات کی تعلیم اور تربیت دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور ثابت قدم اہلِ حق کو وہ کبھی تنہا نہیں چھوڑتا۔

انبیاء امت کے لیڈر ہوتے ہیں اور مثالی لیڈر وہ ہوتا ہے جس کا صبر اور حوصلہ پہاڑ جیسا ہو۔ لیڈر خود مصیبتیں جھیلتا ہے تاکہ معاشرہ اَمن و سکون کا گہوارہ بن جائے۔ لیڈر امت کو شعور دیتا ہے تاکہ کوئی اُسے طاقت کے زور پر غلام نہ بنالے اور اس کی لاعلمی کو استحصال کا ذریعہ نہ بنالے۔ پیغمبرانِ خدا نے جن جن مصائب کا سامنا کیا، وہ سارے مصائب کا تنِ تنہا خاتم النبیین حضور نبی اکرم ﷺ نے سامنا کیا اور نازک سے نازک موقع پر بھی امت کو ہلاکت کی بد دعا نہ دی۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ دعا کی کہ اے اللہ! میری امت کو ہدایت کے خزانے عطا کر اور انہیں دنیا اور آخرت کی عزتیں اور رفعتیں عطا فرما۔ سیرتِ انبیاء علیہم السلام تعمیرِ شخصیت اور تشکیلِ شخصیت میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے ان خطابات میں اس امر پر بھی توجہ مرکوز کی کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ ہر شخص کی عقل اور ذہنی سطح کے مطابق بات کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی آیاتِ قرآنیہ کا مختلف مقامات پر تکرار اس لیے کیا تاکہ ایک بات کو پختہ اور ذہن نشین کروایا جاسکے۔ یہ بات کے ابلاغ کا اَحسن طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس بھیجا تو فرمایا: اُس کے ساتھ نرمی سے بات کرنا۔ اچھی گفتگو انسانی طبیعت میں جمال پیدا کرتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کوئی بات سمجھانے کے لیے بار بار اُس کا تذکرہ فرماتا ہے تو ہم ایک بات کو بار بار سمجھانے میں شرم وعار کیوں محسوس کرتے ہیں؟ یہ نکتہ بطور خاص علمائے کرام، مبلغین، والدین، اساتذہ کرام، مشائخ عظام، واعظین کے ہمہ وقت پیشِ نظر رہنا چاہیے۔ اخلاص اور مثبت سوچ کے ساتھ مکالمہ کرنا بھی انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ اگر کوئی نافرمانی پر بضد ہے تو اہلِ علم اور اہلِ حق کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ نرم خوئی کے ساتھ اصلاحِ احوال کی نیت سے بار بار مخاطب ہوں۔

دعوت کا اہم عنصر ابلاغ ہے۔ دعوت اُس وقت تک شروع ہی نہیں ہوسکتی جب تک داعی دعوت کا کام بطریقِ اَحسن انجام نہ دے۔ دعوت و تبلیغ کے اہم عناصر ابلاغ اور مکالمہ ہیں۔ اسلام نے انسانی معاشرہ کو ہر شعبہ حیات میں خوبصورت کوڈ آف کنڈکٹ دیا ہے۔ دعوت دین کے کام کے لیے ابلاغ کی صلاحیت حاصل کرنا ازحد ضروری ہے۔ ہم اسلام قبول کرنے کے باوجود اس لیے پیچھے رہ گئے ہیں کہ ہم مکمل طور پر اسلامی تعلیمات پر عمل نہیں کر رہے۔ قرآن مجید نے دعوتِ دین کے اصول بھی دیے ہیں اور پیغمبران خدا اس کی عملی تصویر ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کبھی مکالمہ کے ذریعے، کبھی لاجک کے ساتھ، کبھی نرمی کے ساتھ اور کبھی پیغمبرانہ جلال کے ساتھ مخاطب ہوتے۔ یہ سارے انداز دعوتِ

دین کے ہیں۔ پیغمبران خدا اپنے دور کے بہترین موٹیویشنل سپیکر بھی تھے۔ آج اسلام کا صحیح معنی میں وکیل وہی ہوگا جو انسانی مزاج اور رویوں کے مطابق اسلام کی دعوت دے۔

جب کوئی قوم دعوتِ دین کا فریضہ سرانجام دینے سے قاصر ہو جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کسی ایسی قوم کو لے آتا ہے جو اس کے دین کی ذمہ داری کو احسن طور پر انجام دے۔ قرآنِ مجید میں ہے کہ ’اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے گا تو عنقریب اللہ (ان کی جگہ) ایسی قوم کو لائے گا جن سے وہ (خود) محبت فرماتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے۔ اس آیت میں دین سے پھر جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دعوتِ دین اور دین پر عمل کرنے میں ناکام ہو چکے ہوں گے۔ لہٰذا دعوت دین کے کام کو ہلکا نہ جانیں۔ اگر ہماری گفتگو مؤثر اور حکمت و دانائی پر مبنی ہو تو ہی ہم حقیقی معنوں میں دین کی خدمت کر سکتے ہیں۔

صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل محترم پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کے خطابات

صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کے ’’آدابِ زندگی‘‘ کے موضوع پر خطابات نے شہر اعتکاف کی محافل میں ایک نیا رنگ بھر دیا۔ ان کی باتوں میں وہ حکمت تھی جس سے زندگی کے ہر پہلو کو بہتر بنایا جا سکتا تھا۔ آداب زندگی پر ان کے خطابات ہر فرد کو اپنی زندگی میں تبدیلی لانے کی ترغیب دے رہے تھے۔ ان خطابات میں وہ معتکفین سے مخاطب ہوتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ انسان اپنے اخلاقی رویوں سے معتبر ہوتا ہے۔ نیکی صرف ظاہری اعمال کا نام نہیں بلکہ اس کا اصل

مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے رشتوں کا احترام کرے، حقوق العباد کی خلاف ورزی نہ کرے اور دوسروں کی دل آزاری سے بچے۔ آج ہم ناسمجھی یا غفلت میں دوسروں کے بارے میں ایسے رویے اختیار کر لیتے ہیں جو دل آزاری کا باعث بنتے ہیں، حالانکہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابلِ گرفت ہے۔ صوفیائے کرام ہمیشہ انسانیت سے محبت کرتے تھے اور دوسروں کی دل جوئی کرتے تھے۔ ان کے حسنِ سلوک کی بدولت برصغیر میں اسلام پھیلا۔ کسی کی عظمت کا معیار بڑی ڈگری، بڑا عہدہ یا اعلیٰ نسب نہیں بلکہ اچھے اخلاق اور آداب ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔'' اخلاق درست ہو جائیں تو ہماری دنیا اور آخرت سنور جائے گی۔ منہاج القرآن کی اعتکاف گاہ آداب سیکھنے کی عملی تجربہ گاہ ہے، جہاں شرکاء کو اسلامی آداب و اخلاق کی تربیت دی جاتی ہے اور روحانی بالیدگی کے ساتھ ساتھ عملی زندگی میں ان اصولوں کو اپنانے کا شعور حاصل ہوتا ہے۔ نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ مادی زندگی کی مصروفیات کے ساتھ ساتھ سیرتِ طیبہ کا مطالعہ جاری رکھیں اور کسی بھی حال میں قرآن و سنت سے اپنا تعلق کمزور نہ ہونے دیں۔ دینِ اسلام سراپا آداب اور مرقعِ اخلاق ہے۔ قرآنِ حکیم اور احادیثِ نبوی ﷺ آدابِ زندگی کے اعلیٰ معیارات متعین کرتے ہیں۔

کسی بھی عمل کی تکمیل سے پہلے علم کا ہونا لازم ہے۔ جب علم کی سمت درست ہو جائے گی تو دیگر تمام معاملات خود بخود درست ہو جائیں گے۔ اسلام کی بنیاد دیگر تہذیبوں کی طرح نسل، زبان، قبیلے یا علاقے پر نہیں بلکہ علم اور تقویٰ پر رکھی گئی ہے اور جو شخص ان دونوں میں بلند مرتبہ حاصل کر لیتا ہے،

وہی حقیقت میں بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ علم کے درجات کو بلند فرمایا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جسے قرآن و حدیث کا علم عطا کیا گیا، اللہ تعالیٰ نے اسے غنی کر دیا۔ جو شخص حصولِ علم کے لیے نکلتا ہے، وہ اس وقت تک اللہ کی راہ میں ہوتا ہے جب تک وہ واپس نہیں لوٹتا۔ اسلام میں عزت و فضیلت کا معیار مادی رتبہ اور خاندانی وراثت نہیں بلکہ علم اور تقویٰ ہے۔ اگر کوئی غریب گھرانے میں پیدا ہو کر بھی علم میں بڑا ہو تو وہی اسلامی معاشرے میں برتری کا حق دار ہے۔

علم رکھنے والا شخص کبھی تکبر میں مبتلا نہیں ہوتا۔ نسب کا فائدہ بھی تبھی ہوتا ہے، جب اعمال بھی صالح ہوں۔ جس معاشرے میں علم کا اَدب ہو گا، وہاں عالمِ دین کا بھی اَدب ہو گا۔ جو چیز سیکھی جا رہی ہو، اس کا بھی اَدب ضروری ہے اور سکھانے والے استاد کا بھی احترام لازم ہے۔ اللہ سے ڈرنے والے وہی ہیں جو علم رکھنے والے ہیں، کیونکہ خشیتِ الٰہی کا نور علم سے پیدا ہوتا ہے۔ طلبِ علم میں ہمیشہ نیت کو خالص رکھیں۔ اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔ درویش دین کو ذریعہ معاش نہیں بناتا اور نہ ہی دنیاوی منفعت کے لیے اپنے علم کو فروخت کرتا ہے۔ جس نے دین کو ذریعہ معاش بنایا، اس نے درحقیقت لعنت کمائی۔ حصولِ علم کا ادب یہی ہے کہ جو کچھ سیکھیں، اس پر عمل کریں۔ اگر طبیعت میں علم کا دعویٰ آنے لگے تو سمجھیں کہ یہ شیطان کا وسوسہ ہے، کیونکہ علم کا دعویٰ تکبر پیدا کرتا ہے اور تکبر درویش کے لیے زہر قاتل ہے۔ درویش اپنی اصلاح میں ہمیشہ متوجہ

رہتا ہے اور جب بھی نصیحت کی جاتی ہے تو فوراً اپنے باطن میں جھانکتا ہے اور اپنی کوتاہیوں کو درست کرتا ہے۔ جو طلبِ علم میں اخلاص رکھے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔ درویش کی ابتداء عام عالم کی انتہا ہوتی ہے کیونکہ درویش صرف علم حاصل نہیں کرتا بلکہ اس پر عمل کرکے اسے اپنی زندگی کا حصہ بناتا ہے۔ علم وہی معتبر ہے جو عمل کے قالب میں ڈھل جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں علم کے نور سے منور فرمائے اور اسے ہمارے لیے ذریعۂ نجات بنائے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے خطابات

شہر اعتکاف کی فضاؤں میں سب سے خاص لمحہ وہ ہوتا تھا جب شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خطاب شروع ہوتا۔ جیسے ہی ان کی آواز میں لذت بھرے الفاظ سماعتوں میں گونجتے، وہاں موجود ہر فرد کی روح میں ایک نیا داعیہ بیدار ہو جاتا، گویا دلوں کے دروازے کھل گئے ہوں اور اللہ کی محبت کا ایک نیا رنگ دلوں میں جاگزین ہو گیا ہو۔ شیخ الاسلام نے اپنے خطابات میں عشقِ الٰہی کی ان حقیقتوں کو بیان کیا جنہیں سن کر سامعین کے دل میں ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی۔ ان کے الفاظ میں ایسا رقت اور تاثیر تھی کہ سننے والوں کا دل بے اختیار اللہ کی محبت میں غرق ہو جاتا۔ جب انہوں نے توحید کی عظمت، اللہ کی محبت اور اس کی بارگاہ میں عاشقوں کے احوال کا ذکر کیا، تو گویا ہر دل پر اللہ کی محبت کا سحر طاری ہو گیا۔ شیخ الاسلام کا ہر لفظ دلوں کی گہرائیوں میں اُتر رہا تھا۔ ان کے ہر بیان میں اتنی محبت اور شگفتگی تھی کہ سامعین کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے۔ یہ آنسو فقط غم کے نہیں تھے، بلکہ لذتِ توحید کے جذبات کا اظہار تھے۔ جب دل اللہ کی محبت میں سرشار ہو جاتا ہے تو انسان اپنی عاجزی و نیاز مندی میں سرنگوں ہو جاتا ہے۔ ہر دل میں ایک سکون اور تسکین کی کیفیت تھی اور ہر لمحہ پُرکیف اور روحانی انوارات کا عکاس تھا۔

شیخ الاسلام کے تمام خطابات کے دوران حاضرین وسامعین کی کیفیت دیدنی تھی۔ ہر ایک کے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی تھی، جیسے ہر فرد کا دل اپنے خالق کی رضا کی آرزو میں تڑپ رہا ہو۔ ان کی آواز میں جو قوت اور تاثیر تھی، وہ سامعین کے اندر ایک نئی روح پھونک رہی تھی۔ الفاظ کی گونج دلوں میں سکون اور محبت کی لہریں پیدا کر رہی تھیں۔ وہ الفاظ جو اللہ کے ساتھ تعلق کی گہرائی کو بیان کر رہے تھے، سامعین کی ذہنوں میں گہرا اثر چھوڑ رہے تھے۔ سامعین آنکھوں میں اشکوں کی نمی لیے بیٹھے تھے، گویا ان کا دل ان کی آنکھوں کے ذریعے اللہ سے اپنی محبت کا اظہار کر رہا ہو اور ان تذکروں کو سن کر اللہ کی محبت کی حلاوت میں ڈوبا ہوا ہو۔ توحید کی حقیقت اور عشقِ الٰہی کی لذت کو بیان کرنے والے شیخ

الاسلام کے یہ خطابات ہر دل میں ایک خاص قسم کا سکون اور روشنی کا سبب بن رہے تھے۔ ان کے خطابات کا ہر ایک لفظ اور جملہ میں ایک ایسی رقت اور تاثیر تھی کہ سامعین اپنے آپ کو اس عالم میں محسوس کرنے لگتے جیسے وہ خود اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔ خاص لمحات میں، سامعین بے اختیار اللہ کی محبت میں روتے، گویا وہ اپنی دنیا اور آخرت کے ہر عیب کو صاف کرنا چاہتے ہوں۔ آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کا ہر قطرہ اللہ کی محبت میں ڈوبا ہوا تھا اور ہر دل کی ہر دھڑکن، اس کے عشق میں اس کے لاہوتی نغمات کو الاپ رہی تھی۔

"عشقِ الٰہی اور لذتِ توحید" کے موضوع پر شیخ الاسلام کے ان خطابات کے خلاصہ جات نذرِ قارئین ہیں:

ا۔ موضوع: عشقِ الٰہی اور خوفِ الٰہی۔ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم کے احوال

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ نے منہاج القرآن کے شہرِ اعتکاف کی پہلی شب ہزارہا معتکفین و معتکفات سے "عشقِ الٰہی اور لذتِ توحید" کے عنوان کے تحت "عشقِ الٰہی اور خوفِ الٰہی: صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم کے احوال" کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ صحابہ کرام کی زندگیاں اس بات کی گواہ ہیں کہ وہ خشیتِ الٰہی اور عشقِ الٰہی کے پیکر ہوا کرتے تھے۔ خشیت و محبت الٰہی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ان کیفیات کے طاری ہونے سے بعض دلوں میں موجود یہ شک ختم ہو جانا چاہیے کہ ان احوال کا کوئی ثبوت نہیں اور ایسی چیزوں کو بعد کے صوفیاء نے بیان کیا ہے۔ یاد رکھیں یہ سب احوال محدثین نے بیان کیے ہیں۔ کتبِ احادیث اور آثارِ صحابہ کا مطالعہ کرنے

سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لذت و حلاوت اور روحانی کیفیات کا ورود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کی زندگیوں میں بھی ہوتا تھا۔ وہ لوگ جو خود ان حلاوتوں سے بے بہرہ ہیں اور اس ذائقہ کو چونکہ خود انھوں نے کبھی چکھا نہیں ہے، اس لئے وہ اس کا سرِعام انکار کر دیتے ہیں۔

امام عبد العزیز بن میمون روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے عیال کو دوزخ سے بچاؤ، تو یہ سن کر ایک صحابی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ معلوم ہوا کہ یہ کیفیات و وارداتِ قلبی اس دور میں صحابہ میں بھی تھیں۔ ایک دفعہ فجر کی نماز میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سورۃ یوسف پڑھی اور جب اس آیت پر پہنچے کہ یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کی جدائی میں روئے تو روتے روتے ان کی بینائی چلی گئی۔ اس آیت سے آگے نہ پڑھ سکے اور رونے لگتے۔ اتنا روئے کہ آپ کے صاحبزادے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کے رونے کی آواز مجھے تین صفیں پیچھے کھڑا ہونے کے باوجود سنائی دے رہی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ ایک رات ایک گلی سے گزرے تو ایک قاری کی آواز سنی، جو سورۃ الطور کی تلاوت کر رہا تھا۔ جب وہ اس آیت پر پہنچا کہ آپ کے رب کا عذاب واقع ہو کر ہی رہنا ہے، تو یہ آیت سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ رب کعبہ کی قسم! عذاب آنے والا ہے۔ یہ کہہ کر سواری سے نیچے گر گئے۔ ایک مہینہ تک حالتِ علالت میں بستر پر لیٹے رہے۔ صحابہ عیادت کیلئے آتے رہے مگر کسی کو پتہ نہ تھا کہ کیا ہوا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آنکھ کے گرد رونے کی وجہ سے حلقے پڑ گئے تھے۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ نے آپ کو انتہا درجہ کا رعب و دبدبہ عطا فرمایا تھا لیکن دوسری طرف عشقِ الٰہی کا عالم یہ تھا کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ قرآن مجید میں ذکرِ آخرت سن کر خوفِ خدا میں بے ہوش ہو جاتے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج یہ کیفیات واحوال نظر کیوں نہیں آتے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے زمانوں میں ظلم و ستم، فریب و دھوکہ اور گناہوں کی اس قدر کثرت نہ تھی۔ لہٰذا ایسے احوال و کیفیات کا طاری ہونا عام تھا۔ مگر آج ہر طرف گناہ ہیں، ظلم اور قتل و غارت گری ہے، اب ہر شخص نفس پرست ہے، اب سارا موسم ابر آلود ہو چکا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان مناظر کو چھپا دیا ہے۔ دل میں اللہ کے عشق کی وہ چنگاری جلالیں، جو حرص، لالچ، مفاد پرستی، نفس پرستی اور تمام برائیوں کو جلا کر راکھ کر دے۔ تب جا کر عشق الٰہی اور لذتِ توحید حاصل ہو گی اور اس طرح کی کیفیات واحوال نصیب ہوں گے۔

ہمارے ہاں چونکہ مادیت ہے، اس لئے دین کی تعبیر بھی مادیت کی نذر ہو گئی ہے۔ ہمارے عقل دماغ اور دل بھی مادی، ظلماتی اور حیوانی ہیں۔ ہماری عقلیں، دل اور سوچیں روحانی نہیں رہیں۔ ہم اتنے مادیت زدہ ہو گئے ہیں کہ ہر چیز میں نقص نکالتے ہیں، تنقید کرتے ہیں، انکار کرتے ہیں اور تضحیک کرتے ہیں اور ایسے احوال کا انکار کر دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ شاید یہ بعد کے صوفیاء کے قصے اور حالات ہیں جو کتابوں میں لکھے ہیں اور ان کیفیات اور احوال کی کوئی حقیقت نہیں۔ صحابہ کرام، تابعین اور تبع التابعین رضی اللہ عنہم کے احوال کا مطالعہ ہمیں ان کیفیات واحوال کی حقیقت کی جانب متوجہ کرتا ہے۔ اصل میں ہم نے کتب کا مطالعہ نہیں کیا۔ اس لیے ہمارے علم میں نہیں اور جب کوئی چیز ہمارے علم میں نہیں ہوتی تو ہم ڈنکے کی چوٹ پر اس کا انکار کر دیتے ہیں۔ صرف انکار نہیں کرتے بلکہ مذاق اڑاتے ہیں، تضحیک کرتے ہیں، نوجوانوں کے عقائد خراب کرتے ہیں اور یہ تصور دیتے ہیں کہ یہ من گھڑت قصے ہیں۔ بدقسمتی یہ ہے کہ ہم اس راہ کے مسافر نہیں ہیں، اس لئے ہمیں ان کا انکار کرنا آسان نظر آتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بشر ہونے کے ناطے اگر معمولی سی بھی خطا و نافرمانی ہو جاتی تو وہ اسے بھی بڑا گناہ تصور کرتے۔ وہ اسی احساس کے اندر روتے اور اللہ رب العزت سے معافی کے خواستگار ہوتے۔ دوسری طرف ہم کہاں ہیں؟ لاکھوں گناہ کرنے کے باوجود بے پرواہ ہیں، گناہ کے گناہ ہونے تک کا خیال اور فکر نہیں ہے۔ وہ صحابہ جو ہمہ وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت و قربت میں رہتے اور جنہیں ہر وقت آقا علیہ السلام کی قربت اور خدمت نصیب ہے مگر اس خدمت اور قربت کے باوجود وہ خوفِ الٰہی سے بے نیاز نہیں۔ ان میں یہ جرات نہیں تھی کہ آقا علیہ السلام کی اتنی قربت اور ہمہ وقت خدمت کے سبب یہ کہتے یا سوچتے کہ ''اب ہمیں آخرت کی کون سی پرواہ ہے، ہم تو بخشے گئے ہیں۔'' صحابہ

کرام ﷡ جری نہیں تھے بلکہ خوفِ الٰہی کا پیکر تھے، وہ کبھی آخرت سے بے نیاز و بے پرواہ نہیں ہوتے تھے۔

جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارا وجود گناہوں سے لت پت ہے اور اس سب کے باوجود ہماری آنکھیں خشک ہیں۔ صحابہ کرام حضور نبی اکرم ﷺ کے صحابی ہو کر بھی اپنے اعمال و احوال کی پرواہ کرتے تھے جبکہ ہمارا طریق یہ ہو گیا ہے کہ ہر عالم، ہر پیر و شیخ اور ہر مذہبی رہنما اپنے عقیدت مندوں اور مریدین کو بے پرواہ بناتے پھر رہا ہے کہ آپ ہمارے مرید ہیں، آپ ہمارے خدمت گار ہیں لہذا آپ کو جنت مل گئی۔ یاد رکھیں اس طرح جنت کے لائسنس نہیں ملتے۔ یہ مغالطہ انسان کو بے عمل، بے خوف اور اللہ کی قربت اور لطف و کرم سے دور کرتا ہے۔ محافل کر کے یہ نہ سمجھا جائے کہ جنت کا لائسنس مل گیا اور سوچنا کہ 'ہمیں قیامت کا کہاں ڈر؟ ہمیں بچانے والے بچا لیں گے'، ایسے کلمات حضور غوث الاعظم، حضور داتا گنج بخش، بابا فرید الدین گنج شکر، خواجہ نظام الدین اولیاء اور دیگر اولیاء میں سے بھی کسی نے نہیں کہے اور نہ ان کی کتب میں موجود ہیں۔ حسنین کریمین، آئمہ اہلبیت، جنید بغدادی، ابو بکر شبلی، ذوالنون مصری ﷡ میں سے کبھی کسی نے یہ نہیں فرمایا کہ 'بے خوف ہو جاؤ اور یہ کر لو تو جنت مل جائے گی'۔ اس بات نے ہمارے دلوں کو بے عمل کر دیا اور خدا کا خوف ختم کر دیا اور رقت و خوفِ الٰہی چلا گیا۔

۲۔ موضوع: عاشقوں کی مناجات اور اللہ تعالیٰ کی عنایات

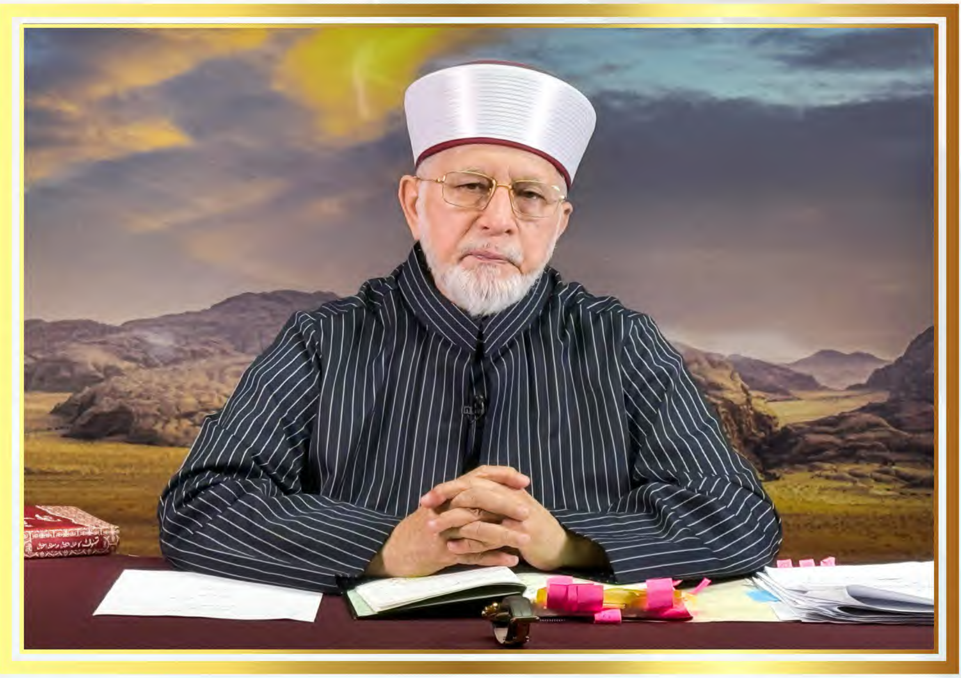

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے شہرِ اعتکاف کی دوسری نشست سے ’’عاشقوں کی مناجات اور اللہ تعالیٰ کی عنایات‘‘ کے موضوع پر ہزاروں فرزندانِ توحید سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ عشقِ الٰہی اور خشیتِ الٰہی پر مبنی واقعات و قصص اور ایسے تمام احوال و کیفیات پر مبنی حکایات نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔ ان قصوں کے پیچھے اسناد اور مضبوط علمی دلائل ہیں۔ انبیاء، اولیاء کے قصص کی شریعت کے لحاظ سے منفعت اور علمی لحاظ سے سند قرآن مجید میں بیان کردہ قصص ہیں۔ اچھے لوگوں کے قصے بیان کرنا اللہ اور قرآن مجید کی سنت ہے۔ ان قصوں میں خاص حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان قصوں کے ذریعے ہمیں ان کی تاثیر پہنچانا چاہتا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ حکایات اللہ کے لشکروں میں سے لشکر ہے۔ ان کے ذریعے اللہ اپنے دوستوں کے دل مضبوط کرتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ اللہ والوں کے اخلاق و محاسن کے واقعات مجھے فقہ سے زیادہ محبوب ہیں۔ اس لیے کہ فقہ سے احکام اور اللہ والوں کے قصوں سے آداب ملتے ہیں۔ امام ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے اہل اللہ کا ذکر ہوتا تو آپ بیمار ہونے کے باوجود اٹھ بیٹھتے اور فرماتے کہ میں اللہ والوں کا ذکر تکیہ لگا کر نہیں سننا چاہتا۔

امام حسن بصریؒ سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے کہ جب ایک بندہ ذکر کے ذریعے میرے قریب آنے لگتا ہے اور میرے ساتھ اس کا دل مشغول ہو جاتا ہے اور یہ تعلق اس پر غالب آجاتا ہے تو پھر میں اس کی لذت اس ذکر میں رکھ دیتا ہوں اور جب میں اپنے ذکر میں اس کے لیے راحت اور لذت رکھ دیتا ہوں تو پھر وہ بندہ میرا عاشق ہو جاتا ہے۔ جب میرا بندہ مجھ سے عشق کرنے لگتا ہے تو پھر میں اپنے اور اس کے درمیان پردے اٹھا دیتا ہوں۔ ان پردوں کے اٹھنے کی علامت یہ ہے کہ جب لوگ مجھے بھولنے لگتے ہیں تو اس کا دل مجھے نہیں بھولتا۔ ایسے لوگ جب بھی بولیں گے تو ان کے کلام انبیاء و صلحاء جیسے کلام ہوں گے۔ یہ ایسے لوگ ہو جائیں گے کہ جب میں اہلِ زمین پر عذاب دینے کا ارادہ کرتا ہوں تو ان کی وجہ سے ٹال دیتا ہوں۔

امام جلال الدین سیوطی نے الجامع الکبیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ حضور علیہ السلام کی امت میں اچھے لوگ وہ ہیں کہ جب ان پر پریشانی کا وقت آتا ہے تو وہ قابلِ مذمت کام نہیں کرتے۔ عرض کیا گیا کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا کہ وہ عاشق الٰہی ہوتے ہیں، عشق ان کے کردار کی حفاظت کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ عشق؛ آداب، اقوال اور طبیعت و مزاج کی اصلاح کرتا ہے۔ عشقِ الٰہی کی وجہ سے بندہ رذائلِ اخلاق سے پاک ہو جاتا ہے۔

علامہ ابن قیم عشق کے باب میں روضۃ المحبین میں بیان کرتے ہیں کہ عشق روحوں کے لیے غذا کی مانند ہے۔ عشق الٰہی سوچ و فکر کو صاف کر دیتا ہے۔ عشق عقل کو تہذیب دیتا ہے۔ بندہ بد تہذیب و بد تمیز نہیں رہتا۔ عشق بزدل کو بہادر بنا دیتا ہے۔ عشق بخیل کو سخی بنا دیتا ہے۔ عاشق کمزور کو عزم و ہمت اور طاقت دیتا ہے۔ عشق؛ ادب سکھاتا ہے۔ ادب ایک رویہ ہے۔ صرف ہاتھ چومنے کا نام ادب نہیں ہے۔ عشق؛ انس و رواحت دیتا ہے۔ عشق متواضع بناتا ہے۔ عشق؛ اخلاق اچھا بناتا ہے۔

ہم کل دنیادار ہیں مگر دیکھنے میں دیندار ہیں۔ اس دعویٰ عشقِ الٰہی کا کوئی فائدہ نہیں جب تک عشقِ الٰہی بندے کے اخلاق اور رویہ و مزاج میں نظر نہ آئے۔ یاد رکھیں کہ عشق ناموں اور عنوانات سے نہیں ملتا اور نہ ہی عشق پر کسی مسلک کی اجارہ داری ہے۔

حضرت میمونہ السودا ایک عارفہ کاملہ تھیں، انھوں نے ایک دفعہ حضرت عبدالواحد بن زید کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندے کو نعمتیں، عہدے، منصب، مال، دوستیاں رشتہ داریاں الغرض ہر نعمت دیتا ہے۔ پس جو چیز اللہ بندے کو دنیا میں دے تو وہ آزمائش کے لیے دیتا ہے۔ نعمت دینے کے بعد اللہ دیکھتا ہے کہ اگر وہ بندہ اس چیز کی مزید طلب میں لگ جائے، اس چیز سے محبت کرنے لگ جائے، اس چیز کا حریص ہو جائے اور وہ چیز اس کے دل میں سرایت کر جائے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کو اپنی خلوت کی لذت سے

محروم کر دیتا ہے۔وہ کہتا ہے کہ میں نے تو دنیا کی چیز تمہیں آزمائش کے لیے دی تھی مگر تم اس کی طلب میں لگ گئے۔ اب جب میری خلوت میں بیٹھو گے، نماز پڑھو گے ،تلاوت کرو گے، رکوع و سجدہ کرو گے، ذکر کرو گے تو میری خلوت کی لذت تمہیں نصیب نہیں ہوگی۔اس لئے کہ ہم اپنی خلوت کی لذت اور حلاوت ان لوگوں کو نہیں دیتے جو دنیا کی چیزوں کی طلب کے پیچھے مارے مارے پھریں۔ ان سے ہم اپنی خلوت کی حلاوت واپس لے لیتے ہیں اور اس کی جگہ اس کے دل میں وحشت بٹھا دیتے ہیں۔ پھر وہ بڑی مشکل سے نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے،عبادت کرتا ہے۔وہ عبادت کے ذریعے وقت گزاری کرتا ہے مگر کیف و سرور اور لذت و حلاوت اسے نصیب نہیں ہوتی۔اس کے دل پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔

عشقِ الٰہی اور توحید کی ان وادیوں میں سفر کروانے کا مقصود یہ ہے کہ ان اہل اللہ کے احوال و کیفیات سے ادب بھی سیکھیں ، احوال کی اصلاح بھی سیکھیں ، اخلاق سیکھیں، بول چال سیکھیں، اٹھنا بیٹھنا سیکھیں۔ حتیٰ کہ ہماری پوری زندگی کا رنگ بدل جائے۔ اللہ والوں کی باتیں سنیں مگر ادب نہ آیا تو کیا حاصل ؟ اللہ والوں کے تذکرے سنیں مگر دل پسیج نہ جائے اور نرم نہ ہو تو کیا پایا ؟اللہ والوں کی مجلس میں بیٹھے، شب بھر اللہ والوں کا ذکر سنا، ان کا عشق الٰہی کی آگ میں جلنا سنا، ان کے احوال اور کیفیات سنیں، مگر اپنی زندگی کے آداب نہ بدلے ،اپنی بول چال کے طریقے نہ بدلے، اپنا رویہ اور مزاج نہ بدلا، آپس کے رویے نہ سنورے تو کیا سنا؟سب کچھ برباد کیا ۔ آپس کے رویے و اخلاق نہ بدلے تو کیا سنا، جوانوں کے احوال نہ بدلے ،رونا نصیب نہ ہوا، جوانی کو طہارت نہ ملی، زبان کو پیار نہ ملا ،تو کیا سیکھا؟ پس جب تک ایک دوسرے کے بارے میں سوچ نہیں بدلتی، بدنیتی نہیں نکلتی،غیبت نہیں نکلتی، شک و شبہ نہیں نکلتا، بدگمانی نہیں نکلتی ،ایک دوسرے کی کھوج لگانا نہیں نکلتا،حسد کرنا نہیں نکلتا، چغلی نہیں نکلتی، زبان پاک نہیں ہوتی تو ان تذکروں کو سننے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ نفسانی خواہشات کے غلبے میں اپنا دین اور ایمان داؤ پر مت لگائیں۔اللہ کے بندے وہی ہیں جو دنیا کے فانی عیش و آرام کو چھوڑ کر یادِ الٰہی میں سکون پاتے ہیں۔ جو لوگ اپنی زندگی کا مقصد اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی بنا لیتے ہیں، وہی قیامت کے دن کامیاب ہوں گے۔ پس دنیا کی عارضی لذتوں کے پیچھے بھاگنے کے بجائے اللہ کے برگزیدہ بندوں کے نقشِ قدم پر چلیں، کیونکہ یہی نجات اور فلاح کا راستہ ہے۔

۳۔ موضوع: عشقِ حقیقی اور عشقِ مجازی میں فرق

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے شہرِ اعتکاف کی تیسری نشست سے ''عشقِ حقیقی اور عشقِ مجازی میں فرق'' کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ انسان؛ انس سے بھی ہے اور نسیان سے بھی ہے۔ اگر انسان ''انس'' سے ہے، جس کا مطلب محبت ہے تو اس کا معنٰی یہ ہے کہ جو انسان محبت و شفقت کے جذبات نہیں رکھتا، وہ انسان تو کیا، حیوان بھی نہیں ہے کیونکہ حیوانوں میں بھی محبت کے جذبات ہوتے ہیں۔ انسان میں جب اُنس پیدا ہوتا ہے تو یہ انس بڑھتے بڑھتے الفت، محبت اور مؤدت میں تبدیل ہو جاتا ہے اور پھر یہ محبت عشق تک جا پہنچتی ہے۔ عشق محبت کا آخری درجہ ہے۔ اس نقطہ کمال تک پہنچنے کے بعد ہر وہ چیز جو اس کے محبوب سے متناقض ہے، محبوب کی غیر ہے، محبوب سے دور لے جانے والی ہے اور اس کے محبوب کو اچھی نہیں لگتی، بندہ اس کو بھول جاتا ہے۔ محبوب کے غیر کو بھول جاتا ہے اور جو چیز محبوب کو محبوب ہے اور محبوب کو اچھی لگتی ہے، اسے بھی محبوب و پسندیدہ ہو جاتی ہے۔ پس جیسے وہ محبوب کو یاد رکھتا ہے، ویسے محبوب کی چیزوں کو یاد رکھتا ہے۔ محبوب کے اوامر اور احکام کو یاد رکھتا ہے، محبوب جس جس شے کو چاہتا ہے، اس کو یاد رکھتا ہے اور محبوب جس جس شے سے نفرت کرتا ہے، اس کو بھول جاتا ہے۔ گویا انسان کے اندر ایک قوتِ نسیان ہے کہ وہ محبوب کے غیر کو بھول جاتا ہے۔

جس کی محبت نے اپنا رخ محبوبِ حقیقی کی طرف کر لیا تو اسے محبوب حقیقی سے وہ تعلق اور محبت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ بڑھتے بڑھتے عشق کے اس مقام پر جا پہنچتی ہے کہ ماسواء اللہ کو بھول جاتا ہے۔ جس کو مال اور دنیا سے محبت پیدا ہو گئی، اس میں بھی محبت اسی طرح شدید ہو جاتی ہے جیسے ہم اس وقت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ حرص و ہوا اور دنیا کی محبت نیکی کو بھلا دیتی ہے، حلال و حرام میں فرق کو بھلا دیتی ہے، احکام شریعت کو بھلا دیتی ہے، عدل و انصاف کو بھلا دیتی ہے، رحم و کرم کو بھلا دیتی ہے اور انسانیت کو بھلا دیتی ہے۔

محبت جیسی بھی ہو، جس جگہ بھی ہو، جس نوعیت کی بھی ہو، اس کے اوصاف، تاثیرات اثرات ہمیشہ ایک جیسے ہوتے ہیں۔ اگر دنیا کی کسی ہستی سے محبت ہے تو اسے محبتِ مجازی کہتے ہیں اور اگر جنت اور حسنِ آخرت کی محبت ہے تو اس کو محبتِ اخروی کہتے ہیں۔ مگر ان سب سے بلند محبت؛ محبتِ حقیقی ہے اور وہ حق تعالیٰ کی محبت ہے۔

ہمارا نفس ہمیں برائی کی طرف دھکیلتا ہے۔ جب محبت سے جذبۂ نفس نکل جائے تو وہ عشقِ حقیقی بن جاتا ہے۔ نفسِ مطمئنہ اللہ کی رضا پر راضی ہو جاتا ہے اور اسے اللہ کے ذکر و عبادت میں سرور حاصل ہوتا ہے۔ تمام محبتوں سے بڑھ کر محبت اللہ تعالیٰ کی محبت ہے۔ محبت سے خالی دل مردہ ہوتے ہیں۔ جس دل میں دنیا کی محبت اور جاہ و حشم کی طمع ہو گی، اس دل میں اللہ کی محبت داخل نہیں ہوتی۔ دل میں محبت و شفقت کے جذبات جتنے کم ہونگے ایمان کا درجہ اتنا ہی کم تر ہو گا۔ محبت ایمان کی حیات ہے۔ محبت کی کیفیات سے محروم شخص زندہ ہوتے ہوئے مردہ ہیں۔ مالکِ حقیقی سے محبت دل کو سکون دیتی ہے جبکہ دنیا کی محبتیں اضطراب اور جنون پیدا کرتی ہیں۔

نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے دل کے برتن کو دنیاداری کی جعلی محبتوں سے خالی کر کے اللہ کی حقیقی محبت کے جام سے بھر لیں۔ اس لیے کہ یہ محبت دائمی ہے، اسے زوال نہیں۔ مجنوں سے محبت و عشق کرنا سیکھیں کہ جس عشق میں صدق اور خلوص آجائے تو سوائے محبوب کے اس کا کوئی اور مطلوب نہیں رہتا۔ مجنوں کی محبت میں ایک مقام ایسا بھی آیا کہ وہ ہوائے نفس سے بھی پاک ہو گیا۔ عشق کی آگ نے اس کے نفس، نفسانیت اور نفسیت کو مٹا دیا تھا۔ محبت زاویۂ نگاہ کو بدل دیتی ہے۔ اللہ سے محبت کا دعویٰ ہو اور سجدوں میں لذت نہ ملے تو جان لیں کہ محبت خالص نہیں۔ محبت کا دعویٰ ہو مگر اللہ کے ذکر سے طراوت نہ ملے تو یہ جھوٹ ہے۔ دین کے علم اور عشقِ الٰہی سے انسان میں خوش اخلاقی، عاجزی و انکساری اور تہذیب و شائستگی پیدا ہوتی ہے۔ عشقِ الٰہی والا بندہ کبھی کسی کے خلاف کفر کے فتوے جاری نہیں کرتا۔ دین کا پختہ علم رکھنے والے اللہ کے بندوں کی زبانیں گالی، کفر کے فتوؤں اور الزام تراشی سے پاک ہوتی ہیں۔ نوجوان ایسی صحبتوں سے گریز کریں جہاں طعن و تشنیع اور فرقہ واریت ہو۔ نوجوان ایسی صحبت میں نہ جائیں جہاں لوگ عالم ہونے کا دعویٰ کریں مگر ان کی زبانیں ہر وقت زہر اگلیں اور وہ دوسروں کو حقیر اور کم تر جانیں۔ ایسے لوگوں کا علم اگر انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکا تو دوسروں کو کیا فائدہ پہنچائے گا۔

جسے دین کی حقیقی محبت اور عشقِ الٰہی کی لذت نصیب ہو جائے اس کی سوچ، فکر اور زبان آلائشوں سے پاک صاف ہو جاتی ہے، اس کا کردار اجلا ہو جاتا ہے اور اس کے من سے دنیا کی حرص اور نفس کا سارا میل کچیل دور ہو جاتا ہے۔ عشق وہ سراپا عجز و انکسار اور مہر و وفا ہوتے ہیں اور ان کے وجود انسانیت کیلئے باعثِ خیر ہوتے ہیں۔ اگر کسی میں یہ اوصاف نظر نہ آئیں تو وہ خواہ علم اور حلم کے دعوے کرے، نوجوان اس کی مجلس سے دور رہیں۔

۴۔ موضوع: معانیِ محبت اور مراتبِ عشق

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے شہرِ اعتکاف کی چوتھی نشست میں اللہ رب العزت کے فرمان؛ قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ۔ (آل عمران، ۳: ۳۱)" (اے حبیب!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا۔" کو موضوع گفتگو بناتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس آیت میں دو چیزیں قابلِ توجہ ہیں۔ اس آیت میں اتباع کا ذکر درمیان میں ہے اور محبت کا ذکر آیت کی ابتداء میں بھی ہے اور انتہا میں بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ سفرِ ایمان کی ابتدا بھی محبت ہے اور انتہا بھی محبت ہے۔ جو لوگ محبت کی برکات و اثرات اور تجربات سے محروم ہیں یا الگ سے محبت کے وجود سے انکار کرتے ہیں اور اسے صرف عملِ صالح کی شکل کے ساتھ تعبیر کر دیتے ہیں، گویا وہ سفرِ ایمان کی ابتدا سے بھی محروم اور انتہا و کمال سے بھی محروم ہیں۔ اللہ کی محبت تمام مقامات کی آخری منزل اور سفرِ ایمان میں سے آخری درجہ ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ جو کچھ ایمان کے باب میں محبت کے بعد مومن کو نصیب ہوتا ہے وہ صرف اور صرف محبت کا پھل اور اس کے نتائج اور توابع میں سے ہے۔ مرتبہ شوق، مرتبہ انس، مرتبہ رضا، مرتبہ توکل، مرتبہ تفویض اور ان جیسے دیگر مراتب سب محبت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر کوئی چیز محبت سے پہلے آتی ہے تو وہ محبت کے مقدمات، شرائط اور اس کے تقاضوں میں سے ہیں۔ اگر ان کو پورا کر کے آگے پہنچیں تو محبت نصیب ہوتی ہے۔

مقدماتِ محبت میں؛ توبہ اولین ہے۔ حضرت بشر حافی کو توبہ نصیب ہوئی اور محبت کی چنگاری بھڑک اٹھی۔ کسی نے پوچھا کہ ننگے پاؤں کیوں چلتے ہیں۔ فرمایا کہ جب میری پہلی ملاقات اللہ سے ہوئی تو میں ننگے پاؤں تھا۔ سو میں یہ چاہتا ہوں کہ اس لمحہ کی یاد زندگی بھر قائم رہے۔ اسی طرح صبر بھی

مقدماتِ محبت میں سے ہے۔ زہد بھی مقدماتِ محبت میں سے ہے۔ ایمان کے باب میں جملہ فضائل و مراتب محبت کے مقدمات اور تقاضوں میں سے ہیں یا محبت کے بعد اس کی برکات، اثرات اور نتائج ہیں۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ اگر ایمان نہ ہو تو کسی درجہ کو فضیلت حاصل نہیں مگر محبت کا عالم یہ ہے کہ محبت؛ ایمان کو کمال دیتی ہے۔ ایمان تمام فضائل کو کمال دیتا ہے جبکہ محبت ایمان کو کمال دیتی ہے۔ ایمان کا محبت کے بغیر وجود اور کمال نہیں ہے۔ گویا جو لوگ محبت کا انکار کرتے ہیں، کیفیات، احوال و مقامات، برکات و کرامات کا انکار کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ انس، شوقِ الٰہی اور مناجاتِ الٰہی کے بھی منکر ہیں، ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ لغوی اعتبار سے محبت کے معنٰی درج ذیل ہیں:

۱۔ حب کا ایک معنی خالص ہونا ہے۔ گویا محبت وہ جذبہ ہے جس میں میل اور ملاوٹ نہ رہے۔ یعنی جذبے میں خالصیت کا آنا محبت ہے۔

۲۔ ''حب''، حباب سے ماخوذ ہے۔ حباب کسی چیز کی غایت اور آخری حد کو کہتے ہیں۔ محبت یہ ہے کہ جس سے تعلق ہے، اس جذبہ میں خالصیت اپنی آخری حد کو پہنچ جائے۔ غایت کا ایک معنی مقصد ہے۔ گویا محبت ایک مقصد متعین کرتی ہے۔

۳۔ ''حب'' کا ایک معنٰی لزوم و ثبات ہے۔ یعنی محبت تعلق کو جما دیتی ہے اور کسی کو پھسلنے نہیں دیتی۔

۴۔ ''حب'' کا معنی باندھنا ہے۔ جس سے محبت ہو جائے، اس کے ساتھ باندھ دیتی ہے۔ گرد و غبار دور کرتی ہے تاکہ صفائی آئے اور اغیار سے ہٹا دیتی ہے تاکہ استقامت آئے۔

۵۔ ''حب''، قلق سے ماخوذ ہے۔ محبت ایسا جذبہ ہے جو انسان کو مضطرب کر دیتا ہے۔ یعنی عاشق وہ بندہ جو محبوب کے لیے مضطرب رہے۔

۶۔ ''حب'' کا معنٰی حفظ و امساک ہے۔ جو چیز ہماری حفاظت کرے، اسے محبت کہتے ہیں یعنی یہ بے وفائی اور گناہ و نافرمانی سے بندے کی حفاظت کرتی ہے۔

۷۔ ''حب'' کا معنی دانہ اور بیج ہے۔ محبت وہ بیج ہے جس سے ایمان، تقویٰ اور صبر و شکر اور خیر کے سارے پودے اُگتے ہیں۔

۸۔ ''حب'' کا معنٰی خشب ہے۔ بچھنے والی گھاس۔ جسے محبت ہو جائے وہ محبوب کے لیے بچھ جاتا ہے۔ عاشق روندا جانے والا ہوتا ہے، محبوب روند دے، پامال کر دے، وہ محبوب کے سامنے بچھا رہتا ہے۔ محبت و عشق میں بندہ مقام رضا پر ہوتا ہے۔

۹۔ ''حب'' کا معنی العلو والا ظہار ہے۔ محبت کسی غیر کو قریب نہیں آنے دیتی۔ اس کا اپنا ہیجان اتنا ہوتا ہے کہ جو چیز اس کے لائق نہیں، اس کو اٹھا کر باہر پھینکتی ہے۔ یہ اتنی بلند ہوتی ہے کہ اس میں

گھٹیا چیز کی گنجائش نہیں رہتی۔ جو بندہ محبت کی مذکورہ دس شرائط پوری کر لے تو پھر یہ محبت عشق کے مقام پر فائز ہوتی ہے۔

حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ محبت وہ جذبہ جس میں انسان ہر وقت اس بات سے ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں یہ خدمت ختم نہ ہو جائے۔ یعنی محبت کرنے والا نڈر نہیں ہوتا۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہمیں دین الٰہی کی خدمت کا جتنا زیادہ موقع ملتا ہے، ہم اتنے ہی نڈر اور متکبر ہو جاتے ہیں۔ حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ محبت اس جذبے کا نام ہے کہ جس میں آپ کو اپنی طرف سے بہت کچھ کرنا، ذرہ برابر نظر آئے اور محبوب کا تھوڑا احسان، زیادہ نظر آئے۔ جس کا زاویہ نگاہ یہ بن جائے، وہ سمجھ جائے کہ اسے محبت مل گئی۔ حضرت بشر الحافی فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو بندے کو محبوب ہے، اسے محبوب پر قربان کر دینا محبت ہے۔ حضرت حارث المحاسبی فرماتے ہیں کہ محبوب جو چاہے، اس کی ہر چاہت کے سامنے دل بچھ جائے تو یہ محبت ہے۔ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ محبوب کی صفات محب کے دل میں داخل ہو جائیں اور محب کی اپنی صفات اس سے نکل جائیں تو یہ محبت ہے۔ یحییٰ بن معین رازی فرماتے ہیں کہ محبت ہے یا نہیں اس کا پیمانہ یہ ہے کہ اگر محبوب کچھ عطا کرے تو اس کی عطا سے محبت میں اضافہ نہ ہو اور اگر محبوب کچھ واپس لے لے تو محبت کم نہ ہو۔ یعنی جفا سے محبت کم نہ ہو اور عطا سے زیادہ نہ ہو۔ جبکہ ہماری محبت طمع ہے۔ عاشق کو جفا اور عطا سے غرض نہیں ہوتی۔ بندہ اپنا حصہ ہی اللہ کی بارگاہ سے بھول جائے۔ جو اپنا استحقاق دیکھتا ہے، اسے محبت کی ہوا نہیں لگی۔

۵۔ موضوع: عشق و محبتِ الٰہی کے احوال۔ قرآن مجید سنتِ نبوی اور آثار سلف صالحین کی روشنی میں

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے شہرِ اعتکاف کی پانچویں نشست میں سورۃ التوبہ کی اایت: ۲۴ کو موضوعِ کلام بنایا جس میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ ”(اے نبی مکرم!) آپ فرما دیں: اگر تمہارے باپ (دادا) اور تمہارے بیٹے (بیٹیاں) اور تمہارے بھائی (بہنیں) اور تمہاری بیویاں اور تمہارے (دیگر) رشتہ دار اور تمہارے اموال جو تم نے (محنت سے) کمائے اور تجارت و کاروبار جس کے نقصان سے تم ڈرتے رہتے ہو اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکمِ (عذاب) لے آئے، اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا۔“

اللہ، رسول اور جہاد کی محبت یہ نہیں کہ دنیا کے تمام رشتوں سے قطع تعلقی کرلی جائے اور کسی سے محبت نہ کی جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ، رسول اور جہاد کی محبت تمام محبتوں پر غالب ہونی چاہیے۔ یہ معیارِ ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد، ماں باپ، بیوی، گھر اور مال و دولت کی محبت سے منع نہیں کیا، مگر ان سب محبتوں میں ایک حد مقرر کی ہے۔ ان سب کے اوپر اللہ کی محبت کو فوقیت دینا لازم ہے، کیونکہ جب اللہ کی محبت پر باقی محبتیں غالب آجائیں تو نظامِ زندگی درہم برہم ہو جاتا ہے اور ایسے میں اللہ کی نافرمانی پر اس کا عذاب نازل ہوتا ہے۔ اس وقت اللہ کے عذاب کو پورا عالمِ اسلام دیکھ رہا ہے، حکمران موجود ہیں، ۵۶ اسلامی ممالک موجود ہیں مگر صورتِ حال ہم سب کے سامنے ہے۔ یاد رکھیں کہ جب اللہ کا عذاب آتا ہے تو اس کے بعد کوئی چیز سلامت نہیں رہتی، لوگ غلاموں سے بھی بدتر ہو جاتے ہیں۔

ہم ساری دنیا کے احوال تو نہیں بدل سکتے مگر اپنے من کو تبدیل کر سکتے ہیں۔ انسان کے اندر بھی ایک دنیا بستی ہے، جس میں انقلاب لانا مکمل طور پر اس کے اپنے اختیار میں ہے۔ جب انسان اپنی خواہشوں، اپنے دل اور اپنے نفس کے اندر تبدیلی پیدا کرتا ہے تو وہ حقیقی انقلاب کا سفر طے کرتا ہے۔ باہر کی دنیا میں انقلاب برپا کرنے سے پہلے اپنی ذات میں تبدیلی لانا ضروری ہے اور اس انقلاب کی بنیاد عشقِ الٰہی ہے، جو انسان کو خود شناسی سے خدا شناسی کی منزل تک پہنچا دیتا ہے۔

اللہ کی راہ میں جو بھی کام کیا جاتا ہے، خواہ وہ اللہ کی رضا کو پانے کے لیے ہو یا اللہ کے دین کا پیغام پہنچانے کے لیے، وہ سب جہاد فی سبیل اللہ کے زمرے میں آتا ہے۔ اصل مقصد اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت اور اللہ کے احکامات کو دنیا تک پہنچانا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس شخص نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا جسے اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر چیز سے بڑھ کر محبوب ہو جائیں۔ اس پیمانہ میں آج ہمیں اپنے آپ کو تولنا ہوگا۔ ایک پلڑا اللہ، رسول اور دین کی محبت کا ہے۔ دوسرا پلڑا دنیا کی محبت کا ہے۔ پہلے پلڑے کو بھاری کریں گے تب ایمان کا ذائقہ نصیب ہوگا۔ ہمارا پلڑا بھاری ہونا تو دور کی بات، برابر

بھی نہیں ہے بلکہ بہت ہی ہلکا ہے۔ ایمان کا ذائقہ چکھنے کے لیے بھی اس پلڑے کا بھاری ہونا ضروری ہے۔ اگر ایمان سے پوری طرح لطف اندوز ہونا ہے تو پھر پوری دنیا سے بے نیاز ہونا ہوگا۔

حضور نبی اکرم ﷺ اللہ کی محبت اپنی دعا میں طلب کرتے اور یوں دعا فرماتے کہ ’’اے اللہ مجھے اپنی محبت عطا کر دے۔‘‘ قابلِ غور بات یہ ہے کہ حضور ﷺ پہلے ہی اللہ سے محبت میں کمال پر ہیں مگر قربِ الٰہی کے مقام پر پہنچنے کے باوجود اللہ سے اس کی محبت طلب کر رہے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ اس سے اس کا عشق طلب کر رہے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ’’ہر اس شخص کی محبت بھی دے جس سے محبت کرنا مجھے تیری بارگاہ میں نفع دے۔‘‘ گویا حضور ﷺ نے پہلے اللہ کی محبت مانگی اور پھر اللہ والوں کی محبت مانگی۔ اس نص سے اللہ کی محبت اور اہل اللہ سے محبت ثابت ہو رہی ہے۔ پھر عرض کیا کہ ’’اللہ ان کی محبت بھی عطا کر جو تجھ سے محبت کرتے ہیں اور ہر اس عمل کی محبت عطا کر جو تیری محبت کے قریب کر دے۔‘‘ اس پوری دعا کا مرکز اللہ کی محبت ہے۔

یاد رکھیں کہ محبت دعوے، نعروں اور لفظوں کا نام نہیں بلکہ حدیث مبارک کے مطابق جب محبت ہو جائے تو بندے کو ایسی ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے جیسی گرمیوں میں ٹھنڈا پانی پینے سے محسوس ہوتی ہے۔ ایسی محبت سوچ، عمل، زاویہ نگاہ، سیرت، برتاؤ میں محسوس ہونی چاہیے۔ دکھلاوے کی محبت نہ ہو۔

حضرت ابو حذیفہؓ نے اپنے آزاد کردہ غلام سالم سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔ لوگوں نے طعنہ زنی کی کہ قریش خاندان کی ایک باعزت خاتون کو غلام کے عقد میں دے دیا۔ حضرت ابو حذیفہؓ نے جواب دیا کہ مجھے کچھ اور معلوم نہیں، صرف اتنا جانتا ہوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ سالم اللہ کا بڑا عاشق ہے۔ جس نے اللہ کے سچے عاشق کو دیکھنا ہو، وہ سالم کو دیکھ لے۔

یہ محبت ذاتی ہے۔ اس میں بندہ طمع، احسانات، انعامات کی وجہ سے محبت نہیں کرتا بلکہ اللہ سے اللہ کی ذات کے باعث محبت کرتا ہے۔ حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ عاشق کون ہے؟ فرمایا کہ عاشق دنیا و آخرت سے محبت نہیں کرتا بلکہ وہ اللہ سے صرف اللہ کو مانگتا ہے۔ آج ہم اللہ کو بھول چکے ہیں، اگر کل قیامت کے دن اللہ نے ہمیں بھلا دیا تو ہمارا کیا بنے گا؟ کیا ہم اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کے عشق کی اس طرح کی حرارت محسوس کرتے ہیں؟ اگر نہیں، تو ہمیں اپنی حالت پر غور کرنا چاہیے، کیونکہ حقیقی کامیابی اسی میں ہے کہ ہمارا دل اللہ کے ذکر اور اس کی محبت سے سرشار ہو۔ جب بندہ اللہ کے لیے اپنی خواہشات کو کچل دیتا ہے اور اپنی ذات کو ذاتِ حق کے سامنے فنا کر دیتا ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے تمام معاملات اپنے ذمے لے لیتا ہے۔ محبت محض زبانی دعوے کا نام نہیں، بلکہ یہ دل میں محسوس ہونی چاہیے اور زاویہ عمل، کردار اور افکار میں جھلکنی چاہیے۔ محبت صرف دکھاوے کا نام نہیں، بلکہ اس کا اثر زندگی کے ہر پہلو میں نمایاں ہونا چاہیے۔

۶۔ موضوع: عشق کے صحراء میں چند عارفوں سے ملاقات

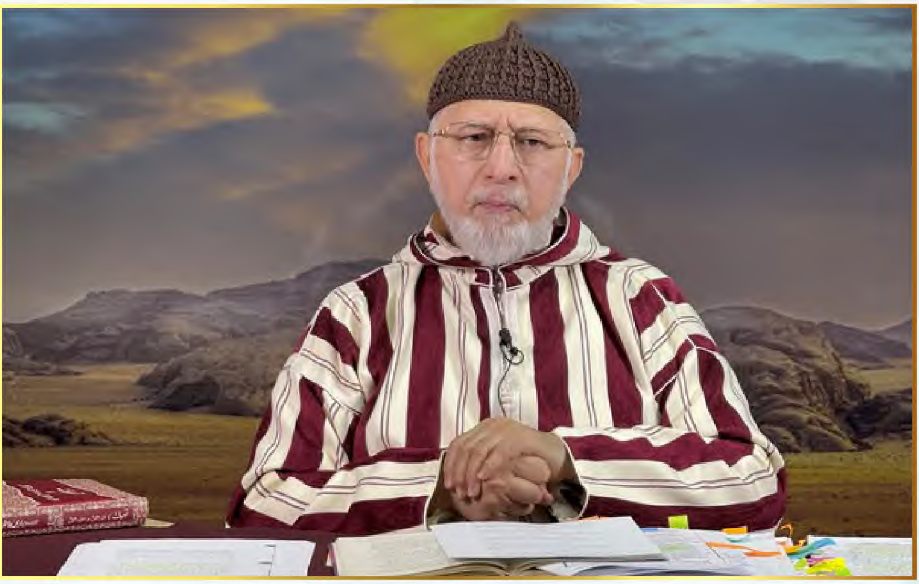

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے شہرِ اعتکاف کی چھٹی نشست میں ''عشق کے صحراء میں چند عارفوں سے ملاقات'' کے موضوع پر خطاب ارشاد فرماتے ہوئے محبت و عشق کے حوالے سے چند اہل اللہ کے احوال اور اقوال کو بیان فرمایا:

یحیٰ بن معاذ رازی فرماتے ہیں کہ محبت اس جذبہ و حال کو کہتے ہیں کہ اگر اس کے ساتھ حسن سلوک کرو تو وہ محبت میں بڑھے نہیں اور اگر اس کی منشاء کے خلاف کرو، نظر انداز کر دو تو گھٹے نہیں۔ ہمارا حال اس کے بر عکس ہے۔ بھلائی کرو تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ میرا حق ہے۔ ایک اور مقام پر یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ اللہ کی عفو (معاف کرنا) کی شان یہ ہے کہ اگر کسی کے ساتھ معافی کا سلوک کر دے تو اس کے سارے گناہ مٹا دیتا ہے۔ ذرا سوچیں کہ اگر وہ کسی کے ساتھ راضی ہو جائے تو پھر عالم کیا ہو گا۔ وہ جس سے راضی ہو جائے تو اس کے دل کو بے نیاز کر دیتا ہے۔

محمد بن الفضل فرماتے ہیں کہ محبت کی چار علامات ہیں: ۱۔ اللہ کے ذکر سے فرحت ہو اور فرحت قائم رہے یعنی جگنو کی طرح نہ ہو۔ ۲۔ انس پیدا ہو جاتا ہے، اس انسیت میں ہر لمحہ اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ۳۔ محبت کی راہ میں جو کام رکاوٹ بنتے ہیں ان کو ترک کرنا۔ ۴۔ ہر چیز پر محبوب کو ترجیح دینا۔

حضرت حرم بن حبان فرماتے ہیں کہ مومن وہ ہے کہ جب وہ اپنے رب کو پہچان لیتا ہے تو وہ اس سے محبت کیے بغیر رہ نہیں سکتا۔ رب کی پہچان عقل کو نہیں بلکہ دل کو ہوتی ہے۔ جب بندہ اس سے محبت کرتا ہے تو اس کا دھیان ہمہ وقت ادھر ہی رہتا ہے۔

حضرت یوسف بن حسین فرماتے ہیں کہ جس کو جتنا جھکا ہوا اور نرم پائیں تو جان لیں کہ اس میں اللہ کی محبت ہے۔ اللہ کی محبت بندے کی اکڑ ختم کر دیتی ہے۔ جبکہ دنیا کی محبت انسان میں تواضع کو روکتی ہے۔ مزاج و رویہ کی سختی محبت کی نفی ہے۔

حضرت رابعہ بصری کی ایک خادمہ عبدہ بنت ابی شوال ہیں۔ ایک دن آپ نے فرمایا کہ کوئی ہے جو ہمیں محبوب سے ملاقات کی راہ دکھائے؟ خادمہ نے کہا کہ ہمارا محبوب ہمارے پاس ہے مگر دنیا نے ہمارے اور اس کے درمیان حجاب و پردہ ڈال رکھا ہے۔ حضرت رابعہ بصری ایک مقام پر فرماتی ہیں کہ اس دنیا میں میری مراد اور میری ہمت صرف تیری یاد ہے اور آخرت میں یہ حصہ مانگتی ہوں کہ ہر وقت تیرا دیدار رہے۔

جو لوگ عشقِ الٰہی سے واصل ہو گئے ان کے اخلاق سنور گئے۔ تصوف، معرفت اور فقیری کا راز اخلاق کی عمدگی میں ہے۔ افسوس کہ ہم نے بد خلقی کو جلال اور رسم و رواج کو تصوف بنا دیا ہے۔ ہر کوئی دیدارِ الٰہی و زیارتِ مصطفی ﷺ کے لیے وظائف پوچھتا ہے مگر اخلاق کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔

تمام مصادر تصوف میں آج کے مروجہ تصوف اور پیری مریدی جو نذر و نیاز اور صرف وظیفہ پر مبنی ہے اور بیڑے پار کروائے جاتے ہیں، ان کا کوئی تصور نہیں۔ وظیفوں کا کوئی تصوف ہزار سال کی تاریخ اسلام میں نہیں تھا۔ ہم گھر بنانے اور کاروبار کرنے کے لیے محنت کرتے، عمریں گزر جاتی ہیں مگر جنت لینے کے لیے ایک ہی رات میں کسی ایک ہی وظیفہ سے بیڑا پار کروانا چاہتے ہیں۔ یاد رکھیں ٹیکنالوجی اور ترقی آگے جانے سے ملتی ہے مگر اللہ کی معرفت پچھلے زمانے میں جانے سے ملتی ہے۔

عاشق وہ لوگ ہیں جن کے دل دنیا سے کٹ گئے اور وہ اللہ سے واصل ہوگئے اور ان کے اخلاق پاکیزہ اور عمدہ ہوگئے۔ منہاج القرآن کے وابستگان پورا زور اپنے اخلاق پر دیں اور اخلاق درست کرنے کی سب سے بہترین جگہ آپ کا گھر ہے۔ جتنا آپ کا اخلاق اپنے گھر والوں، رشتہ داروں اور عزیز و اقارب سے اچھا ہوگا، معاشرے کو اتنی ہی خیر ملے گی۔ اخلاق درست کرنے کی بہترین فیکٹری بیوی بچے، بہن بھائی اور ہمسائے ہیں۔ جن کے ساتھ ہمارا چوبیس گھنٹے کا واسطہ رہتا ہے۔ خوشی کے حالات میں اخلاق کا پتہ نہیں چلتا بلکہ ناراضگی اور نظرانداز کرنے کے ماحول میں اخلاق کا پتہ چلتا ہے۔ اولیاء اللہ کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ جس کو اللہ سے محبت ہو جائے تو اسے تھوڑی سی بھی روزی مل جائے، اس پر بھی خوش رہتا ہے۔ سچائی کا لباس زیب تن کرلیتا ہے۔ وہ اللہ کی نافرمانی سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ وہ باقی کو فانی پر ترجیح دیتا ہے۔ وہ اللہ کی قربت کے لیے مسابقت کرتا ہے اور نیکی کے کام کے لیے سرگرداں رہتا ہے۔ اللہ اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے تو وہ اس آزمائش پر صبر کرتا ہے۔ نتیجتاً اللہ اس کی دعا قبول کرتا ہے۔

اگر اللہ سے محبت اور عشق کریں تو اس کے کیا کیا صلے ملتے ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک صحابی کو ایک محاذ پر جماعت کا امام بنا کر بھیجا۔ وہ صحابی جب بھی نماز کی امامت کرواتے تو ہر رکعت میں تلاوت کے وقت دوسری آیات پڑھنے کے بعد سورۃ الاخلاص ضرور پڑھتے۔ واپس پلٹے تو صحابہ کرام نے حضور کی بارگاہ میں اس صحابی کے اس کے معمول کا ذکر کیا۔ آقا علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ جاؤ اور اس سے پوچھو کہ کس وجہ سے وہ یہ کام کرتا تھا؟ جب صحابہ نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اس سورت میں میرے پیارے رب کی صفات اور کمالات بیان ہوئے ہیں اور مجھے اپنے محبوبِ حقیقی کی شانوں اور صفات سے محبت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے جواب کی اطلاع کی تو حضور علیہ السلام نے انہی صحابہ کو فوری بھیجا اور کہا ابھی جاؤ اور اسے بتا دو کہ اللہ بھی تم سے اسی طرح محبت کرتا ہے۔ قابلِ غور بات

یہ ہے کہ اگر اس صحابی کے منہ سے یہ جملہ نکل جاتا کہ مجھے اللہ کی ذات سے پیار ہے تو اندازہ کریں کہ اس کے ساتھ اللہ کی محبت کا عالم کیا ہوتا۔

ان احوال و واقعات کو اپنے من میں اتار لیں اور اپنے اندر کے حالات کو بدلنا شروع کردیں۔ دنیا، مادیت، مال و دولت اور حالات ہمیں بہت دور لے گئے ہیں۔ ان حالات نے ہمیں اللہ سے بیگانہ کر دیا۔ نہ وہ لذتیں رہیں، نہ وہ حلاوتیں رہیں، نہ وہ عبادتیں رہیں، نہ وہ طاعتیں رہیں، نہ اللہ سے وہ تعلق رہے اور نہ مناجات رہی۔ ہم غیر سے بن گئے ہیں، جیسے کسی نے پیدا کر دیا اور ہم آگئے۔ دنیا کمانے کی حرص اور نفس کی خواہشات کی پیروی کے سبب ہماری زندگی حیوانوں کی طرح ہوگئی ہے۔ شکل انسانوں کی ہے مگر ہم حیوانوں کی طرح جی رہے ہیں۔ ہم اللہ سے بیگانے ہوگئے۔ کیا ہم اللہ کی محبت کی حرارت اس کے عشق کی تپش محسوس کرتے ہیں۔ کیا ہمیں یہ خیال آتا ہے کہ وہ ہم سے ناراض ہوگا، ہم اس حال میں اس کو کیا چہرہ دکھائیں گے۔ جب ملاقات کا وقت آئے گا تو اس سے کیسے ملیں گے، اگر اس نے فرشتوں سے کہہ دیا کہ اسے دور کر دو، یہ مجھے زندگی میں پہچانتا نہیں تھا، یہ میرے ساتھ تعلق نہیں رکھتا تھا، اس نے مجھے بھلا دیا تھا، اس لیے آج ہم اس کو بھلا دیتے ہیں۔ اس لیے اس بھول سے نکل آئیں اور اللہ کی یاد اور اس کی محبت کی طرف آ جائیں۔

۷۔ عالمی روحانی اجتماع

شہرِ اعتکاف کی ساتویں شب لیلۃ القدر کی مناسبت سے تحریک منہاج القرآن کے زیرِ اہتمام عالمی روحانی اجتماع منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں معتکفین کے علاوہ ہزاروں افراد بطورِ خاص شریک ہوئے۔ بعد از نمازِ تراویح صلوۃ التسبیح ادا کی گئی اور پھر عظیم الشان محفل قرأت و نعت منعقد ہوئی۔ جس میں نامور قراء اور ثناخوانانِ مصطفی ﷺ نے تلاوت قرآن اور نعت رسول مقبول ﷺ کی سعادت حاصل کی۔

عالمی روحانی اجتماع کے موقع پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری، ڈاکٹر حسن محی الدین قادری اور ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کی نئی آنے والی درج ذیل کتب کا تعارف ڈائریکٹر فریدِ ملت ریسرچ انسٹی ٹیوٹ محترم ڈاکٹر محمد فاروق رانا نے پیش کیا:

۱۔ The Manifest Quran (شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری)
(یہ انگلش ترجمہ قرآن یورپ کے بعد اب پاکستان میں بھی شائع ہو گیا ہے)

۲۔ الروض الباسم من خلق النبی الخاتم (شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری)
(4 جلدوں پر مشتمل حضور نبی اکرم ﷺ کے حسین اخلاق کا تذکرہ)

۳۔ DIVINE ONENESS (شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری)
(4 جلدوں پر مشتمل عقیدۂ توحید، شرک اور اس کی تمام جزئیات مطالعہ)

۴۔ MUHAMMAD : THE PEACEMAKER (شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری)
(2 جلدوں پر مشتمل آپ ﷺ کی شانِ امن پسندی کا تذکرہ اور اس ضمن میں مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات)

۵۔ QURAN ON MANAGMENT (مینجمنٹ سائنسز اور قرآنی تعلیمات)
(ڈاکٹر حسن محی الدین قادری)

۶۔ THE DIVINE ALCHEMY OF LEADERSHIP (ڈاکٹر حسن محی الدین قادری)
(لیڈرشپ اور مینجمنٹ پر 100 احادیث اور شخصیت سازی کا مکمل لائحہ عمل)

۷۔ LIFE AND LEADERSHIP LESSONS FROM SURA KAHF
(سورۃ الکھف میں بیان کردہ واقعات اور نظائر کا لیڈرشپ اور مینجمنٹ کے تناظر میں مطالعہ و تجزیہ)
(ڈاکٹر حسن محی الدین قادری)

۸۔آدابِ اختلاف (ڈاکٹر حسن محی الدین قادری) ۹۔آدابِ مکالمہ (ڈاکٹر حسن محی الدین قادری)

۱۰۔ مسلم مشترکہ وقف (IMF کا اسلامی متبادل اور سودی قرضوں سے نجات کا لائحہ عمل) (پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری)

۱۱۔ فہم القرآن (قرآن مجید کے اردو وانگریزی ترجمہ کا سات مختلف اسالیب میں لفظی و بامحاورہ ترجمہ اور صرفی ونحوی ترکیب)

موضوع: عاشقوں کی جنت۔ دیدارِ الٰہی

اس عالمی روحانی اجتماع میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ’’عاشقوں کی جنت۔ دیدارِ الٰہی‘‘ کے موضوع پر نہایت جامع اور خوبصورت خطاب ارشاد فرمایا۔ آپ نے کہا کہ عاشقوں کی جنت صرف دیدارِ الٰہی ہے۔ عاشق اس سے کم درجہ کی کسی جنت پر راضی نہیں ہوتے۔ نہ ہی ان کی اس کے علاوہ کوئی طلب ہے اور نہ ہی وہ کسی اور کے لیے تڑپتے ہیں۔ اس دیدارِ الٰہی کی جنت کو پانے کے لیے آج لاکھوں لوگ لیلۃ القدر کے موقع پر اس عالمی روحانی اجتماع میں جمع ہیں۔ یاد رکھیں کہ دیدارِ الٰہی کے حصول کے سفر کا آغاز عشق کی چنگاری کے جلنے سے مشروط ہے۔ عشق کیا ہے اور کس پر کس کس طرح اثر انداز ہوتا ہے؟ اس کو سمجھنے کے لیے حضرت سمنون المحب کے احوال کا ذکر کرتے ہیں۔

امام قشیری رسالہ قشیریہ میں بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت سمنون المحب عشق و محبت کے موضوع پر مسجد میں خطاب کر رہے تھے کہ مساجد کی قندیلوں میں اس مضمون کے اثرات کے باعث

ایک ایسا اضطراب پیدا ہوا کہ مسجد کی تمام قندیلیں آپس میں ٹکرا گئیں اور ریزہ ریزہ ہو کر زمین پر گر پڑیں۔ ایک اور موقع پر حضرت سمنون المحب نے ایک کھلے میدان میں عشق کے موضوع پر خطاب کیا۔ طالبان و عاشقانِ الٰہی کا ہجوم تھا۔ خطاب کے دوران ایک پرندہ حضرت سمنون المحب کے قریب آبیٹھا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ قریب ہوتا گیا اور بالآخر آپ کے بازو پر بیٹھ گیا اور جب عشق کا بیان کمال پر پہنچا تو وہ پرندہ زمین پر گرا اور اسی وقت مر گیا۔ یہ بظاہر دو چھوٹے چھوٹے واقعات ہیں مگر اس میں سمجھنے والوں کے لیے ایک گہرا پیغام موجود ہے۔ عشق کی واردات نہایت عجب ہوتی ہیں۔ عشق نے کبار ائمہ، صوفیا اور اولیاء کو تلاشِ یار میں جنگلوں، صحراؤں اور وادیوں کا سفر کروادیا اور انھیں محبوب کی یاد میں راتوں کو جگایا اور ہمہ وقت رلایا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ وہ لوگ جو مجھے بھول کر چلے گئے، مجھ سے منہ موڑ کر کسی اور سمت چلے گئے، اگر ان کو پتہ چل جائے کہ مجھے ان کے پلٹ آنے کا کتنا انتظار ہے اور میں ان کے لیے کتنی نرمی و شفقت لیے ہوئے ہوں اور ان کے گناہ کو ترک کرنے کا مجھے کتنا اشتیاق ہے تو مجھے اپنی عزت کی قسم! اس بات کا علم ہونے پر وہ میرے شوق میں مر جائیں۔ اے داؤدؑ! جو مجھے بھول گئے اور مجھے چھوڑ کر چلے گئے، میری محبت کا یہ عالم ان کے لیے ہے تو سوچو اُن لوگوں کے ساتھ میرے اشتیاق کا عالم کیا ہوگا جو مجھ سے محبت کرتے ہیں اور ہمہ وقت میری طرف متوجہ رہتے ہیں۔ ایک اور موقع پر اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی کی کہ اے داؤد! میرا ذکر؛ ذکر کرنے والوں کے لیے ہے۔ میری جنت؛ میرے اطاعت گزاروں کے لیے ہے، میرا دیدار اور زیارت؛ میرا شوق اور محبت رکھنے والوں کے لیے ہے اور جو میرے عاشق ہیں، میری ذات خالص اُن کے لیے ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی آنکھوں کی بینائی عشق الٰہی میں روتے روتے چلی گئی۔ بعد ازاں اللہ نے لوٹادی۔ پھر اس گریہ وزاری کے سبب بینائی چلی گئی، اللہ نے پھر لوٹادی حتی کہ تیسری مرتبہ بھی یہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے شعیب! اگر تیرا رونا دوزخ کے خوف کے سبب ہے تو میں نے تجھے دوزخ سے امان دے دی۔ لہذا اتنا نہ رویا کر۔ اگر تیرا رونا جنت کی طلب میں ہے تو میں نے جنت تیرے لیے واجب کردی، لہذا اتنا نہ رویا کر۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں تیری دوزخ کے ڈر اور تیری جنت کی حرص میں نہیں روتا بلکہ صرف تیرے دیدار کے لیے تڑپتا ہوں کہ وہ دن کب آئے گا جب تو بلا حجاب اپنا جلوہ کروائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے شعیب جسے میرے دیدار کا شوق ہے، اس کا حق ہے کہ وہ اسی طرح رویا کرے۔ اس لیے کہ میری رؤیت اور دیدار کے طالبوں کا علاج اسی رونے میں ہے۔

اللہ کے عاشق جو اس کے دیدار کے لیے تڑپتے ہیں اور اس کے دیدار کا انتظار کرتے ہیں، اُن کے لیے اللہ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو وحی کی اور فرمایا کہ جب کوئی بندہ میرا عشق اپنے دل میں جمالیتا ہے اور میرے دیدار کی یاد میں تڑپتا رہتا ہے، میں ہر روز ستر ہزار مرتبہ اس کے دل کو دیکھتا ہوں۔ قابلِ غور بات ہے کہ وہ خوش نصیب دل کیسا ہوگا جس میں اللہ سما جائے، اللہ کے جلوے کی طلب سما جائے، اس کے علاوہ ہر غیر نکل جائے اور اس سبب سے اللہ اس کے دل کو ہر روز ستر ہزار مرتبہ دیکھے۔ کاش ہمارا دل بھی اس قدر اُجلا، صاف، شفاف اور مطہر ہو جائے کہ اس کی نظر کے قابل ہو جائے۔ اس کے لیے ہمیں تصفیہ قلب و باطن کرنا ہوگا اور ہر بری صفت اور رذائل اخلاق کو دل سے نکالنا ہوگا۔ تب جاکر اللہ کا نور، اس کی محبت، رغبت، قربت اور اس کی رضا ہمیں حاصل ہوگی۔

جو لوگ اللہ کی ذات کے طالب ہوتے ہیں اور اللہ کے دیدار کی طلب کے علاوہ کوئی اور طلب ان کے اندر نہیں ہوتی، ان کے احوال ہی جدا ہوتے ہیں۔ رسالہ قشیریہ میں ہے کہ حضرت حسین الانصاری نے خواب میں دیکھا کہ قیامت کا دن برپا ہے اور ایک شخص عرشِ الٰہی کے نیچے اللہ تعالیٰ کے سامنے خاموش کھڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے پوچھا (حالانکہ اُسے خود معلوم ہے) کہ اے فرشتو! یہ کون ہے؟ فرشتوں نے جواب دیا کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ معروف الکرخی ہے۔ یہ میرے عشق میں مست و بے خود ہو گیا ہے۔ اب میری ملاقات اور دیدار کے بغیر یہ ہوش میں نہیں آئے گا۔

شیخ احمد بن الفتح روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت بشر الحافی کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور ان سے پوچھا کہ معروف الکرخی کے ساتھ کیا حال ہوا؟ انھوں نے کہا کہ اتنا پتہ ہے کہ ہم جنت میں ایک مقام پر اکٹھے تھے کہ اچانک ہمارے اور معروف الکرخی کے درمیان حجابات ڈال دیئے گئے۔ کیونکہ معروف الکرخی ساری زندگی کوئی بھی اطاعت اور نیک عمل جنت کے شوق اور دوزخ کے ڈر سے نہیں کرتے تھے بلکہ وہ ہر عبادت اللہ کے شوق میں کرتے تھے۔ اللہ نے اُنھیں بہت اوپر اپنے قرب میں بلالیا اور اپنے اور معروف الکرخی کے درمیان سارے پردے اٹھا دیئے۔

اللہ کے دیدار کا حق دار بننے کے لیے اسی دنیا میں کاوشیں کرنا ہوں گی۔ اپنے ظاہر و باطن کو پاکیزہ کرنا ہوگا۔ دنیا میں اگر بندہ رذائل اخلاق سے لت پت ہو تو ایسے دل اور آنکھیں اللہ کا دیدار نہیں پاتے۔ افسوس کہ ہم بھٹکے ہوئے ہیں۔ ہمیں اپنے اقوال، اعمال، احوال اور قلوب و اذہان کو سنوارا ہوگا تب ہی جاکر اس کے دیدار کی کوئی جھلک نصیب ہوگی۔

۸۔ موضوع: عشاق کے مشارب اور تعلیمات

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے شہرِ اعتکاف کی آٹھویں نشست سے ’’عشاق کے مشارب اور تعلیمات‘‘ کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ اس موضوع پر اولیاء کے احوال و کیفیات اور ان کے اقوال کے بیان سے قبل آپ نے ’’عشقِ الٰہی اور لذتِ توحید‘‘ کے باب میں عشاق اور اہل اللہ پر وارد ہونے والی کیفیات کے حوالے سے فیلڈ سے موصول ہونے والے تین سوالات کے جامع اور مدلل جوابات ارشاد فرمائے۔ ان تین سوالات کا پسِ منظر شہرِ اعتکاف میں گزشتہ سات راتوں سے ہونے والے واقعات واحوال کی ثقاہت تھا کہ شہرِ اعتکاف میں اولیاء و صلحاء کے جو تذکرے اور واقعات بیان ہوئے، ان اولیاء کا عشقِ الٰہی میں غشی کھانا، وفات پانا، مستی کا طاری ہونا وغیرہ، یہ واردات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طاری کیوں نہیں ہوئیں؟

صحابہ کرامؓ اور تابعین میں کثرت سے کرامات کیوں نہیں ملتیں؟ بعد میں ان کی کثرت کیوں ہے؟ اولیاء کی کرامات اور احوال و کیفیات کے باب میں بعض روایات موضوع، باطل اور مردود ہیں؟ لہٰذا یہ کیفیات اور کرامات ہوتی ہی نہیں۔

شیخ الاسلام نے ان سوالات کا ذکر کرنے کے بعد جوابات دیتے ہوئے فرمایا کہ عشق؛ عقل و خرد کا موضوع نہیں ہے بلکہ قلب و روح کا موضوع ہے۔ کچھ اہل اللہ کو تصوف کی زبان میں مغلوب الحال کہتے ہیں، ان کی ظاہری حالت غشی والی یعنی کیف و مستی میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے۔ اس طرح کچھ اہل اللہ غالب الحال ہوتے ہیں، ان پر بھی یہ کیفیات طاری ہوتی ہیں مگر وہ ضبط کرنے والے ہوتے ہیں اور ان

کیفیات واحوال پر غالب آجاتے ہیں۔ اللہ نے انبیاء کو مغلوب الحال نہیں ہونے دیا، اس لیے کہ اُن پر وحی اترنی ہے اور اُنہوں نے رشد و ہدایت کا پیغام آگے پہنچانا ہے۔ اگر وہ خود مغلوب الحال ہو جائیں تو آگے نصیحت اور ہدایت کیسے پہنچائیں گے؟۔ یہی حال صحابہ کرام میں سے اکثر کا ہے کہ وہ غالب الحال رہے۔ آقا ﷺ کی نگاہِ کرم کا فیض تھا کہ یہ کیفیات و واردات اُن پر بھی ہوتی تھیں مگر آقا ﷺ کی نسبت اور محبت نے اُن کو ایسا ضبط عطا کیا تھا کہ وہ غالب الحال رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو مضبوطی اور صبر کے وافر خزانے عطا فرمائے تھے۔ احوال اور مقامات و کیفیات صحابہ کرامؓ کے پاس بھی تھے مگر اُنہوں نے خود پر ضبط کیے رکھا۔ کبھی کبھی اُن پر یہ کیفیات طاری ہو جایا کرتی تھیں مگر انھوں نے ان کیفیات کو دین کی ذمہ داری ادا کرنے میں رکاوٹ نہ بننے دیا۔

کیفیت کا ہونا اور غشی ہونا کی دلیل قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کوہ طور کا واقعہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بھی ان تجلیات کے باعث بے ہوش ہو گئے۔ تجلیات اور وارادت کا ہونا اور اس کے اثر سے بے ہوش ہونا یہ قرآن کی نص سے ثابت ہے۔ دوسری طرف حضور علیہ السلام کے ضبط کا عالم یہ ہے کہ معراج کی شب بلا حجاب دیدارِ الٰہی کیا مگر مازاغ البصر وماطغیٰ کے مصداق ہوش و حواس کے ساتھ قائم رہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی واردت ہوتی تھیں مگر حفاظت دین کے سبب حضور ﷺ کے فیض سے ضبط قائم رہا۔ 12 ہزار سے زائد صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کی احادیث کو روایت کیا۔ ایک لاکھ سے زائد نے شرفِ صحابیت پایا۔ تاریخ نے فوکس ان کی ذمہ داریوں پر کیا ہے ان کے نجی احوال کو تاریخ نے فوکس نہیں کیا۔ جس طرح کی ذمہ داری ہے، اللہ اس طرح کی طبیعت بناتا ہے۔ صحابہ مغلوب الحال نہ ہوتے تھے اس لیے کہ ذمہ داریاں مختلف ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کرامات، واردات اور مشاہدات بھی ہیں مگر ذمہ داریوں کی نوعیت کے سبب اللہ نے انھیں مضبوط بنایا اور وہ غالب الحال رہے۔

بعد ازاں جب مفسرین، محدثین، فقہا اور مجلدین کے الگ الگ گروہ بن گئے۔ سلطنت مستحکم ہو گئی تو پھر صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم کو فرصت ملی تو انھوں نے دیکھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے زمانے سے دور ہونے کے سبب صدق و اخلاص میں کمی واقع نہ ہو جائے۔ لہذا انھوں نے عبادت اور صبر و شکر، تواضع اور صدق و اخلاص پر فوکس کیا۔ وہ بے فکر ہو گئے کہ حدیث محفوظ ہو گئی، علم محفوظ ہو گیا۔ لہذا انھوں نے عشق الٰہی، ربط الٰہی اور تعلق باللہ کو ٹوٹنے سے بچانے کے لیے ان امور پر توجہ دی۔ پس اس پر جتنا فوکس زیادہ ہوا، اتنی ہی کیفیات بڑھتی چلی گئیں۔

ان کرامات کے وجود کا مطلقاً انکار کرنا نادانی اور جہالت ہے۔ قرآن مجید میں کرامات کا بیان ہے۔ حضرت مریم علیھا السلام کے لیے بے موسمی پھل آنا، اصحاب کہف کا 309 سال زندہ رہنا، آصف بن

برخیا کا ملکہ سبا کا تخت لانا اور حضرت خضر علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات کے دوران پیش آنے والے واقعات کرامات ہیں۔ اگر سابقہ انبیاء کی امم میں کرامات ہیں تو پھر حضور علیہ السلام کی امت میں ایسا کیوں نہ ہوگا۔

میں نے الموسوعۃ القادریہ میں 70 ان کتابوں کا تعارف کروایا ہے، جس میں احوالِ صحابہ بیان ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذاتی احوال اور ان کی واردات قلبیہ کا ذکر موجود ہے۔

ان سوالات کا جامع جواب مرحمت فرمانے کے بعد شیخ الاسلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عمران بن حصین، حضرت ام ایمن، حضرت سفینہ، حضرت علاء بن الحضرمی، حضرت خالد بن ولید اور دیگر کئی صحابہؓ کی کرامات کو ثقہ کتب سے بیان فرمایا۔

۹۔ موضوع: حضرتِ داؤد علیہ السلام کی عاشقانِ الٰہی سے ملاقات اور ان کی دعوات و مناجات

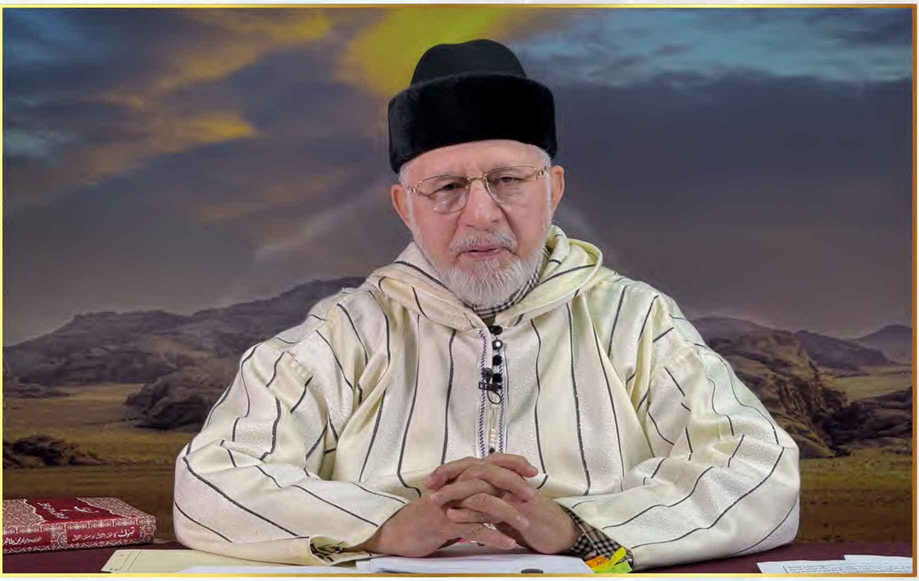

شہرِ اعتکاف کی نویں نشست یعنی آخری شب میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے حضرت داؤد علیہ السلام اور عاشقین الٰہی کی ملاقات کے احوال پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اللہ کی کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! مجھے اپنے اہل محبت اور عاشق دکھادے۔ اللہ نے فرمایا کہ لبنان کے ایک پہاڑ پر میرے 14 عاشق موجود ہیں۔ ان کو سب سے پہلے میرا سلام کہنا اور کہنا کہ تمھارے رب نے تم پر سلام بھیجا ہے اور کہنا کہ تم اللہ سے کوئی سوال کیوں نہیں کرتے؟

حضرت داوٗد علیہ السلام وہاں پہنچے تو انھوں نے وہاں انھیں اکٹھے بیٹھے دیکھا۔ آپ نے انھیں اللہ کا سلام پہنچایا اور پوچھا کہ اللہ پوچھتا ہے کہ تم اس سے مانگتے کیوں نہیں۔ حضرت داوٗد علیہ السلام کے ذریعے اللہ کے اس سوال پر ان میں سے ہر ایک نے الگ الگ اللہ سے مانگا:

ایک نے مانگا کہ اے اللہ! وہ لمحے جو تجھ سے کٹ کر گزرے، جن لمحوں میں دل میں غفلت آگئی۔ وہ گناہ ہیں، وہ معاف کردے۔

دوسرے نے اللہ سے مانگا کہ باری تعالیٰ! ہمارے اور تمھارے درمیان تعلق ہمیشہ حسنِ ظن پر قائم رہے۔ دنیا میں معاملات میں اونچ نیچ آتی رہی ہے، کبھی خوشی کبھی غم، کبھی دکھ کبھی سکھ، کبھی صحت کبھی بیماری الغرض جیسے بھی حالات ہوں، ہمارا تیرے ساتھ جو تعلق جڑا ہوا ہے، وہ حسن ظن پر قائم رہے۔

تیسرے نے کہا کہ اے اللہ! اپنے سے ملنے کا شاندار اور اعلیٰ طریقہ عطا کردے اور وہ راستہ عطا کردے کہ جس پر چل کر تیرا وصال نصیب ہو جائے اور تجھے ملنا آسان ہو جائے۔

چوتھے نے کہا کہ ہمارے اعمال و احوال اس قابل نہیں کہ تیری رضا طلب کریں۔ ہمیں اپنی سخاوت اور کرم سے رضا کی خیرات عطا کریں اور ہم سے راضی ہو جائیں۔ گویا پوری زندگی اللہ کی راہ میں لگانے کے باوجود وہ اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتے۔

پانچویں نے کہا کہ باری تعالیٰ ہم تیری راہ پر چل پڑے ہیں، اس راستے پر ہمیں چلنے کا سلیقہ نہیں ہے۔ اس کمی کو معاف کر دے۔ ہمیں تیری راہ پر چلنے کے آداب نہیں آتے، یہ کمی معاف کر دے۔ چھٹے نے کہا کہ تو نے سب کچھ دے دیا ہے۔ اب صرف اپنا دیدار عطا کر دے۔

ساتویں نے کہا کہ باری تعالیٰ ہم اپنی صلاحیت طاقت، مشقت اور عبادت و طاعت سے تجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔ اپنی بارگاہ سے وہ نور عطا کر دے کہ جو نور تیری بارگاہ تک پہنچنے کا راستہ آسان کر دے۔

آٹھویں نے کہا کہ ہماری التجا فقط یہ ہے کہ تو اپنے فضل و انعام کی توجہ ہماری طرف کر دے اور پھر یہ توجہ ہمیشہ قائم رہے۔

نویں نے کہا کہ تو نے ہمیں اپنی نعمتیں دی ہیں، پس ان نعمتوں کو قائم رکھنا۔ ہم تیری نعمتوں کے حصار میں ہمیشہ رہیں۔

دسویں نے کہا کہ مجھے اندھا کر دے یعنی میری آنکھوں کو ایسا بنا دے کہ نہ دنیا نظر آئے اور نہ اہلِ دنیا نظر آئے۔ دنیا کی ہر شہوت و رغبت ہماری آنکھوں کو نظر نہ آئے۔ دل کو ایسا کر دے کہ تیرے علاوہ کسی اور طرف مشغول بھی نہ ہو۔ جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ ہماری نظر ہمیشہ دنیا اور اہل دنیا کی طرف رہتی ہے۔ ہمارے دل و نگاہ کا دھیان ہی دنیا کی طرف رہتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم وظیفے اللہ کے قرب اور حضور علیہ السلام کی توجہ کے حصول کے لیے مانگتے ہیں۔ ایسا تصوف و سلوک میں کہیں نہیں ہے اور نہ ہی یہ کسی صوفی یا ولی کی تعلیمات ہیں۔ گیارہویں نے کہا کہ ہمارا دل کسی اور طرف مشغول نہ ہو۔

الغرض تمام عاشقوں نے اللہ کی بارگاہ سے بالآخر کچھ نہ کچھ مانگ لیا۔ ان سے بات کرنے کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ سے عرض کیا کہ اللہ ان میں سے کسی ایک نے بھی کوئی دعا اپنے لیے نہیں مانگی؟ اس مقام پر انھیں تو نے کسی وجہ سے پہنچایا؟ اللہ نے فرمایا کہ ان کے حسنِ ظن کی وجہ سے یہ مقام دیا کہ یہ جب بھی سوچتے ہیں تو اچھا سوچتے ہیں۔ منفی سوچ ان میں نہیں ہے۔ پس جب اللہ سے حسنِ ظن قائم ہو جائے تو یہ اساسِ توکل ہے۔ دوسری وجہ ان کے مقام کی یہ ہے کہ ان کے دل کا برتن دنیا طلبی سے خالی ہے۔ انھوں نے حرصِ دنیا سے ترکِ کلی کر دیا ہے۔

ان کے اس مقام پر فائز ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ میرے ساتھ تنہائی میں وقت گزارتے ہیں۔ میرے ساتھ تنہائی میں مناجات کرتے ہیں۔ اس مقام کو وہی پا سکتے ہیں جو دنیا کی حرص و ہوس کو دل سے کلیتاً نکال دیں۔

پس جب بندہ اس طرح ہو جاتا ہے تو اللہ فرماتا ہے کہ میں ان کے اور اپنے درمیان حجابات اٹھا دیتا ہوں اور وہ اللہ کو ایسے دیکھتا ہے جس طرح کوئی سر کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔

منصور حلاج نے کہا تھا کہ میری زندگی کی کوئی صبح، کوئی شام تیرے خیال سے خالی نہیں، کوئی مجلس ایسی نہیں جس میں تیرا ذکر نہ ہو، خوشی و غمی کا کوئی ایک لمحہ ایسا نہیں جو تیری یاد سے خالی ہو۔ افسوس کہ ہم اجرتوں میں پھنسے ہیں جبکہ عاشقوں کا حال مختلف ہوتا ہے۔ عاشق ڈرتا ہے کہ کہیں بے قراری نہ چھن جائے جبکہ ہم قرار کے طالب ہیں۔ یاد رکھیں جو ایک لمحہ کے لیے اللہ کو بھلا دے، وہ اللہ تک کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ عاشق اللہ کے سوا کسی کا منگتا نہیں ہوتا۔

حضرت جنید بغدادی نے فرمایا کہ اگر بندہ اللہ کا عاشقِ صادق ہو جائے اور وہ 10 لاکھ سال اللہ سے محبت کرتا رہے مگر ایک لحظہ کے لیے بھی دل اس سے ہٹا دے اور دنیا کی محبت کی طرف ایک لمحہ کے لیے چلا جائے تو اس نے 10 لاکھ سال میں جتنا پایا تھا، وہ کھو دیتا ہے۔ پس اس سے محبت و عشق میں تعلق دائمی رکھنا پڑتا ہے۔ ایمان کے بعد عملِ صالح پر استقامت رکھنا پڑتی ہے اور اللہ سے دور کرنے والے کاموں سے بچنا ہوتا ہے۔

☆ شہر اعتکاف میں گزرے ہوئے یہ لمحات اور شیخ الاسلام کے یہ خطابات معتکفین کے لیے روحانیت کے منفرد ترین لمحات تھے، جہاں دلوں میں اللہ کی محبت اور لذتِ توحید کا بسیرا ہو رہا تھا۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے یہ خطابات رسمی تقاریر نہیں تھے بلکہ روحانی تجربات کا ایک مجموعہ تھے، جنہوں نے سامعین کو اللہ کی محبت کے سمندر میں غوطہ زن کر دیا تھا۔ شہرِ اعتکاف کی فضاؤں میں، آنسوؤں کی اس بستی میں، ہر اشک ایک گواہی بن چکا تھا کہ لذتِ توحید اور عشقِ الٰہی میں ایک منفرد نوعیت کی طاقت اور سکون ہے، جو دلوں کو ایک نئی روشنی عطا کرتا ہے۔

شہر اعتکاف کے انتظامی امور

ا۔ شہر اعتکاف کی اس روحانی فضا میں جہاں عبادت اور اللہ کے ذکر کی گونج ہر طرف تھی، وہاں منہاج القرآن کی جانب سے کیے گئے انتظامی امور نے اس پورے پروگرام کو ایک اعلیٰ اور منظم رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ یہ انتظامات اس بات کا غماز تھے کہ شہر اعتکاف صرف ایک روحانی مرکز نہیں تھا، بلکہ ایک عظیم تحریک کے نظم و ضبط اور انتظامی صلاحیتوں کا عکاس بھی تھا، جس میں ہر پہلو کا بہ خوبی خیال رکھا گیا تھا۔ ہر روز سحری اور افطاری کے اوقات کا منظر بھی دیدنی ہوتا۔ سحری کے وقت تازہ اور لذیذ کھانوں کا انتظام کیا گیا تھا، جس میں معتکفین دن بھر کے علمی و روحانی معمولات کے دوران اپنی جسمانی قوت بحال کرنے کے لیے حصہ لیتے۔ افطاری کے وقت، شہر اعتکاف کے مختلف گوشوں

میں دستر خوان بچھتے اور ہر فرد کو اس بات کا احساس ہوتا کہ اس کا پیٹ نہیں، بلکہ اس کی روح کی غذا بہتر ہو رہی ہے۔ یہ لمحے اللہ کی محبت اور اس کی مہربانی کے ذکر کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھانے کی خوشی کے تھے، جس میں کسی کو بھی کمی محسوس نہ ہوئی۔

۲۔ اعتکاف میں شامل افراد کی حفاظت اور سیکیورٹی کے انتظامات بہترین تھے۔ ہر ایک جگہ پر سیکیورٹی کی ٹیمیں موجود تھیں جو معتکفین کی حفاظت کو یقینی بنا رہی تھیں۔ اس طرح شہر اعتکاف میں معتکفین کی صحت کو برقرار رکھنے کے حوالے سے بھی بھرپور انتظامات کیے گئے تھے۔ منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن نے ایک مکمل میڈیکل کیمپ قائم کیا تھا، جہاں مریضوں کا معائنہ کرنے کے لیے ماہر ڈاکٹرز موجود تھے۔ کسی بھی ہنگامی صورت میں فوری علاج کی سہولت فراہم کی جاتی، تاکہ معتکفین بغیر کسی رکاوٹ کے اپنے روحانی سفر کو جاری رکھ سکیں۔ اسی طرح بجلی اور پانی کی مسلسل فراہمی کے انتظامات بھی انتہائی خوش اسلوبی سے کیے گئے تھے اور شہر اعتکاف کی فضاؤں میں کہیں بھی کسی قسم کی کوئی بدانتظامی یا افراتفری کا ماحول دیکھنے میں نہ آیا بلکہ ہر معتکف راحت و سکون کے ساتھ اپنے روحانی اور عارفانہ سفر کو جاری رکھے ہوئے اللہ کے حضور پیش پیش رہا۔

۳۔ شہر اعتکاف کی کامیابی کا ایک بڑا راز اس میں شامل انتظامی کمیٹیوں اور رضاکاروں کی محنت میں تھا۔ پچاس سے زائد کمیٹیاں مختلف ذمہ داریوں کے تحت کام کر رہی تھیں، اور ہر کمیٹی اپنے شعبے میں مہارت اور نیک نیتی کے ساتھ کام کر رہی تھی۔ ان کمیٹیوں میں 1800 سے زائد رضاکاروں نے اپنی خدمات پیش کیں، جنہوں نے ہر لمحے اپنی موجودگی سے شہر اعتکاف کی فضا کو زیادہ خوشگوار بنایا۔ رضاکاروں نے نہ صرف انتظامی امور کی ذمہ داری نبھائی، بلکہ وہ ایک ہی مقصد کے تحت کام کرتے رہے، یعنی اس عبادت کے موقع پر لوگوں کو ایک مکمل، محفوظ اور روحانی تجربہ فراہم کرنا۔ ان رضاکاروں کی بے لوث محنت اور خدمت نے شہر اعتکاف کی کامیابی کو مزید مستحکم کیا۔

منہاج القرآن کے شہر اعتکاف میں انتظامات نظم و ضبط کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے، جس میں ہر شخص کو سکون، راحت اور روحانی تسکین حاصل ہو رہی تھی۔ یہ انتظامات صرف عبادت کو بہتر بنانے کے لیے نہیں تھے بلکہ ایک مکمل تجربہ فراہم کرنے کے لیے

تھے، جہاں روحانیت، علم، سکونت، اور حفاظت کا حسین امتزاج موجود تھا۔ شہر اعتکاف میں ہر انتظام اور ہر خدمت کو ایک عبادت کے طور پر پیش کیا گیا، تاکہ ہر معتکف اپنی عبادت میں کسی قسم کی رکاوٹ کا سامنا نہ کرے اور مکمل طور پر اللہ کی رضا کی جستجو میں مگن رہے۔

متفرق امور

۱۔ معتکفین کی تعداد امسال گزشتہ کئی سالوں کی نسبت بہت زیادہ تھی۔ نتیجتاً اعتکاف سے کئی دن پہلے اعتکاف گاہ کی گنجائش کے پیش نظر ایڈوانس رجسٹریشن کو بھی بند کر دیا گیا۔ معتکفین کی اس کثرتِ تعداد کا سبب امسال سوشل میڈیا کے ذریعے شیخ الاسلام کا براہِ راست اعتکاف کی بذاتِ خود دعوت دینا تھا۔ معتکفین کی اس کثیر تعداد کے پیشِ نظر جگر گوشہ قدوۃ الاولیاء حضور پیر سیدنا طاہر علاؤالدین القادری الگیلانی البغدادیؒ محترم حضرت پیر سید محمود محی الدین الگیلانی البغدادی نے دربار غوثیہ سے ملحق تمام حجروں اور کمروں کو بھی معتکفین کی رہائش کے لیے عنایت فرمایا۔ اس شفقت و تعاون پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے محترم المقام صاحبزادہ صاحب کا خصوصی شکریہ ادا کیا۔

۲۔ اس شہرِ اعتکاف میں علماء، مشائخ، اساتذہ، وکلاء، طلبہ، تاجر اور جملہ شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والی نمایاں شخصیات ہر روز شیخ الاسلام کے خطابات کو سماعت کرنے کے لیے شہر اعتکاف میں تشریف لاتی رہیں۔

۳۔ شہرِ اعتکاف میں شیخ الاسلام نے اپنے باقاعدہ خطابات کے آغاز سے قبل احیائے اسلام، تجدیدِ دین اور اصلاحِ احوال کے عظیم مصطفوی مشن منہاج القرآن کی انفرادیت، خصوصیات اور اس کے تجدیدی کاموں کو بھی بیان فرمایا۔ اس موقع پر شیخ الاسلام نے شرکاء اعتکاف کو بالخصوص اور رفقاء و کارکنان تحریک کو بالعموم ہر سال اعتکاف میں لازمی شرکت، رفاقت سازی کی مہم، حلقاتِ درود کے قیام، تحریک کے جملہ پروجیکٹس، پروگرامز اور مہمات میں شرکت اور خطابات اور کتب کے ذریعے دینِ اسلام کی حقیقی تعلیمات کے فروغ کے لیے شبانہ روز کاوشیں کرنے کی تلقین فرمائی۔

۴۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اعتکاف کے اعلیٰ انتظامات پر نائب صدر محترم بریگیڈیئر (ر) اقبال احمد خان، ناظم اعلیٰ محترم خرم نواز گنڈاپور، نائب ناظمِ اعلیٰ ایڈمنسٹریشن محترم محمد جواد حامد اور 50 سے زائد انتظامی کمیٹیوں کے سربراہان اور ان کے 1800 سے زائد ممبرز کو خصوصی مبارکباد اور دعاؤں سے نوازا۔

۵۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے جملہ نائب ناظمین اعلیٰ: محترم انجینئر محمد رفیق نجم، محترم نوراللہ صدیقی، محترم علامہ رانا محمد ادریس، محترم احمد نواز انجم، محترم محمد شاکر مزاری، محترم مظہر محمود علوی، محترم محمد عرفان یوسف، صدر و فورمز: محترم رانا وحید شہزاد (صدر یوتھ)، محترم شیخ فرحان عزیز (صدر MSM)، محترم علامہ میر آصف اکبر قادری (علماء کونسل و نظام المدارس)، پاکستان عوامی تحریک کے ذمہ داران و عہدیداران، ناظمین مرکزی نظامتیں، سربراہان شعبہ جات، ناظمین و نائب ناظمین، سٹاف ممبرز، جملہ مرکزی تعلیمی ادارہ جات کے منتظمین اور ملک بھر کی زونل، صوبائی، ضلعی، تحصیلی اور یونٹ لیول تک کی تنظیمات کو اپنی اپنی نظامت اور شعبہ کے تحت اعلیٰ خدمات بالخصوص شہرِ اعتکاف کو کامیاب بنانے میں اہم کردار ادا کرنے پر خصوصی مبارکباد اور دعاؤں سے نوازا۔

٦۔ شیخ الاسلام نے منہاج القرآن ویمن لیگ کی مرکزی صدر، ناظمہ، جملہ نائب ناظمات اور منہاج القرآن ویمن لیگ کے ذیلی فورمز سسٹرز لیگ، ایگرز اور دیگر شعبہ جات کی ذمہ داران اور ملک بھر میں قائم ویمن لیگ کی تنظیمات کی ذمہ داران، عہدیداران اور کارکنان کو خصوصی مبارکباد اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازا، جن کی شبانہ روز کاوشوں کے سبب نہ صرف اس شہر اعتکاف میں ملک بھر سے کثیر خواتین نے شرکت کی بلکہ ویمن لیگ کی تنظیمات فیلڈ میں بھی مصطفوی مشن کے فروغ میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ اس موقع پر شیخ الاسلام نے خواتین معتکفات کو بھی خصوصی مبارکباد دی کہ وہ ملک کے طول و عرض سے نامساعد حالات کے باوجود اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کی وجہ سے تشریف لائیں۔

٧۔ اس موقع پر شیخ الاسلام نے ویمن اعتکاف گاہ میں اعلیٰ انتظام و انصرام کرنے پر وہاں موجود 35 کمیٹیوں کے سربراہان اور ان کی 550 سے زائد ممبرز کو بھی خصوصی مبارکباد دی۔ شیخ الاسلام نے اس سلسلے میں ویمن اعتکاف گاہ میں خواتین کمیٹیوں کے ساتھ بہترین کوآرڈینیشن اور معاونت پر محترم حاجی منظور حسین مشہدی اور اُن کے ساتھ شریک دیگر احباب کو بھی مبارکباد دی۔

٨۔ شیخ الاسلام نے رمضان المبارک میں ملک بھر کے 40 سے زائد شہروں میں 200 مقامات پر دروس قرآن کے شاندار انعقاد پر منہاج القرآن ویمن لیگ بالخصوص عرفان الہدایہ کی پوری ٹیم کو خصوصی مبارکباد سے نوازا۔ ان دروس میں ہزاروں خواتین نے خصوصی شرکت کی۔

٩۔ شیخ الاسلام نے تحریک منہاج القرآن کی نظامتِ دعوت کو ہدیہ تبریک اور تہنیتی کلمات سے نوازا جنھوں نے منہاج القرآن کی تنظیمات کے تعاون سے پاکستان کے 63 شہروں میں ماہ رمضان

المبارک میں بعداز نمازِ فجر عظیم الشان دروس عرفان القرآن منعقد کیے۔ بالخصوص 21 مقامات پر تین روزہ دروس عرفان القرآن کا خصوصی اہتمام کیا گیا۔ ان دروس میں ہزاروں افراد نے شرکت کی۔ ان دروس عرفان القرآن میں محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری اور مرکزی نظامتِ دعوت کے ناظمین نے خطابات کیے۔

۱۰۔ شیخ الاسلام نے محترم نوراللہ صدیقی، محترم احسن بابا، محترم عبدالستار منہاجین اور ان کے جملہ ٹیم ممبرز کو سوشل میڈیا اور منہاج TV کے ذریعے شہرِ اعتکاف کی لائیو کوریج کرنے پر خصوصی مبارکباد دی اور دعاؤں سے نوازا۔

۱۱۔ تحریک کے زیرِ انتظام جملہ تعلیمی اور فلاحی پراجیکٹس کی تعمیر اور مختلف پروگرامز کے انعقاد کے لیے مالی وسائل کی فراہمی میں کاوشیں کرنے پر شیخ الاسلام نے نظامتِ پبلک ریلیشنز، نظامتِ ریسورسز اینڈ ڈویلپمنٹ اور نظامتِ مالیات کو بھی خصوصی مبارکباد دی اور دعاؤں سے نوازا۔

۱۲۔ شیخ الاسلام نے منہاج القرآن کے زیرِ انتظام جاری جملہ مرکزی تعلیمی اور فلاحی پراجیکٹس اور شعبہ جات کی تعمیرات، مرکزی پروگرامز کے انتظام و انصرام اور ان کے لیے مالی وسائل فراہم کرنے والے جملہ احباب کو مبارکباد دی اور تحسینی اور دعائیہ کلمات سے نوازا، جن کی مالی قربانیوں کے باعث تحریک شب و روز احیائے اسلام اور تجدیدِ دین کے مصطفوی مشن میں مصروفِ عمل ہے اور کامیابیوں کی طرف گامزن ہے۔

۱۳۔ شیخ الاسلام نے شہرِ اعتکاف میں بیرونِ ملک سے کثیر تعداد میں تشریف لانے والے معتکفین و معتکفات کو بھی مبارکباد دی کہ وہ اس علمی و روحانی شہرِ اعتکاف میں دور دراز کا سفر کر کے خالصتاً اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے لیے تشریف لائے۔ اس موقع پر شیخ الاسلام نے نظامتِ امور خارجہ کے جملہ ذمہ داران کو بھی مبارکباد دی۔

۱۴۔ شہرِ اعتکاف میں محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری اور محترم خرم نواز گنڈاپور (ناظم اعلیٰ) نے بیرونِ ملک میں قائم منہاج القرآن کی وہ تنظیمات اور رفقاء جنھوں نے اپنے اپنے ملک میں مختلف مواقع پر مصطفوی مشن کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا، انھیں مختلف ایوارڈز، شیلڈز اور گولڈ میڈلز سے نوازا۔

۱۵۔ شہرِ اعتکاف میں محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری اور محترم خرم نواز گنڈاپور نے مرکزی تعلیمی ادارہ جات کی تعمیرات اور تزئین و آرائش میں اہم کردار ادا کرنے والوں کو گولڈ میڈلز سے نوازا۔

۱۶۔ اعتکاف کے موقع پر شیخ الاسلام نے ”حلقہ محسنین“ میں شامل ہونے کے لیے باقاعدہ منشور اور ہدایات سے نوازا۔ بعد ازاں ”حلقہ محسنین“ میں شمولیت اور اس کے مکمل لائحہ عمل کے بارے میں محترم علامہ غلام مرتضٰی علوی نے بریفنگ دی۔

۱۷۔ شہرِ اعتکاف کی آخری شب محترم ناظم اعلیٰ نے جملہ شرکاء کی طرف سے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی جملہ خدماتِ جلیلہ کو بالعموم اور اس شہرِ اعتکاف سے ”عشقِ الٰہی اور لذتِ توحید“ کے موضوع پر عظیم علمی و روحانی خطابات ارشاد فرمانے پر بالخصوص ہدیہ تشکر پیش کیا کہ آپ کے ان خطابات نے یہاں موجود ہر معتکف کی زندگی میں ایک انقلاب برپا کر دیا ہے اور ہر ایک کو سلف صالحین کے ادوار کی یاد تازہ کروادی۔ جملہ شرکاء نے شیخ الاسلام کی درازئ عمر اور صحت و سلامتی کے لیے خصوصی دعا کی۔

تحریک منہاج القرآن کے زیر اہتمام منعقدہ یہ فقید المثال شہر اعتکاف عید الفطر کا چاند نظر آنے کے اعلان ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے معتکفین کو دعاؤں کے ساتھ الوادع کیا۔ ہزاروں معتکفین آہوں، سسکیوں اور دعاؤں کے ساتھ شہرِ اعتکاف سے رخصت ہوئے۔ اس موقع پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے امتِ مسلمہ اور پاکستان کی ترقی و خوشحالی کیلئے دعا کی۔

تجدید و احیائے دین، دعوت و تبلیغ حق، اصلاح احوال امت اور ترویج و اقامت اسلام کے عظیم مصطفوی مشن کے فروغ اور اسلام کی حقیقی تعلیمات سے آگہی کے لئے

ماہنامہ منہاج القرآن

کی سالانہ خریداری حاصل کریں

زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

فی شمارہ: 60 روپے
سالانہ خریداری: 700 روپے

اپنے علاقے میں موجود پبلک لائبریریز، کالجز، سکولز، عوامی مقامات، دوست احباب اور علاقے کی موثر شخصیات کو سالانہ خریداری کی صورت میں تحفہ بھجوائیں

365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 042-111-140-140 Ext: 128
0300-8886334 Whatsapp: 0300-8105740
Web:www.minhaj.info Email:mqmujallah@gmail.com

منہاج القرآن انٹرنیشنل کے زیر اہتمام سالانہ روحانی اجتماع 2025ء

شہر اعتکاف سے چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کے خطابات

شہر اعتکاف سے صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کے خطابات

Monthly
MINHAJ-UL-QURAN
APR-2025
LAHORE
Regd CPL No.41

ان شاء اللہ

52 واں سالانہ عرس مبارک

و

تقریب تقسیم اسناد

حفاظ و حافظات

فرید ملت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ

والدگرامی

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ مدظلہ

خصوصی خطاب

علامہ صاحبزادہ ظہیر احمد نقشبندی

(فاضل منہاج یونیورسٹی لاہور)

بتاریخ 15 اپریل 2025ء منگل بعد از نماز عشاء 16 شوال 1446ھ

بمقام

دار العلوم فریدیہ قادریہ ملحقہ دربار فرید ملت
بستی لوہلے شاہ جھنگ صدر

زیر صدارت

صاحبزادہ محمد صبغت اللہ قادری
ایڈمنسٹریٹر دربار فرید ملت

زیر نگرانی

علامہ حافظ عبد القدیر قادری
ڈائریکٹر دار العلوم ہذا

ثناخوانِ مصطفیٰ ﷺ

الحاج اختر حسین قریشی صاحب

محمد شکیل طاہر صاحب لاہور

حسان منہاج الحاج محمد افضل نوشاہی صاحب

منظور نظر حضور شیخ الاسلام ظہیر بلالی برادران صاحب لاہور

منظور نظر حضور شیخ الاسلام شہزاد برادران صاحب لاہور

پروگرام کے اختتام پر **لنگر** کا خصوصی انتظام ہوگا

خواتین کیلئے خصوصی سماعت کا اہتمام ہوگا

پروگرام

قرآن خوانی — بعد نماز فجر تا ظہر

غسل دربار شریف — بعد نماز ظہر

چادر پوشی — بعد نماز عصر

محفل ذکر مصطفیٰ ﷺ — بعد نماز مغرب

خصوصی خطاب — بعد نماز عشاء

چیف آرگنائزر

محمد جواد حامد

نائب ناظم اعلیٰ ایڈمنسٹریشن و اجتماعات
منہاج القرآن انٹرنیشنل

تلاوت

فخر القراء قاری نور احمد چشتی

نقیب محفل

معروف سینئر اینکر پرسن عالمی شہرت یافتہ شہنشاہ نقابت صاحبزادہ تسلیم احمد صابری صاحب

شہنشاہ نقابت معروف اسلامی سکالر صفدر علی محسن صاحب

خصوصی آمد مرکزی قائدین، مشائخ و سکالرز

صاحبزادہ محمد طاہر قادری و تحریک منہاج القرآن جھنگ

0334-6331063 , 0333-6767094